Those who perform good actions will receive better than them...
(Qur'an, 27:89)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○

''ہم نے بنایا انسان کو احسن تقویم (نیکی کی بنیاد) پر''

(التین : ۳۰:۴)

اسلام اور دہشت گردی

ہارون یحییٰ

بامعنی، دیدہ زیب اور معیاری ہماری کتابیں
''علم ہماری میراث ہے''

چیف ایگزیکٹو:
تنویر عباس نقوی
naqvee_keatsian98@hotmail.com
tnaqvee@yahoo.com

نام کتاب	اسلام اور
مصنف	ہارون یحییٰ
مترجم	ڈاکٹر تصدق حسین راجا
ناشر	سید علی رضا نقوی فن گروپ آف پبلی کیشنز اقبال مارکیٹ، اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی
کمپوزنگ	میٹرکس کمپوزرز، کمیٹی چوک، راولپنڈی 0300-5211201
سرورق	شوکت علی۔ تنویر عباس نقوی
سن اشاعت	2005ء
مطبع	السادات پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت	-/180 روپے (پاکستان میں)

سٹاکسٹ:

بُک شیلف

اقبال مارکیٹ اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی

انتساب

سید نعیم الدین حسن گیلانی ؒ

کے نام

جن سے میرا دوستی، اُخوت، مُحبت اور عقیدت و اُخلاص کا بڑا مضبوط رشتہ قائم رہا...... مگر ٹھہریے یہ رشتہ و تعلق تو آج بھی بدستور موجود ہے۔☆

☆ نعیم گیلانی صاحب ہندوستان کے شہر رامپور سے قیام پاکستان کے بعد بھون (ضلع چکوال) آ کر آباد ہوئے تھے۔ آپ کو قلندر زماں حضرت شاہ اسد الرحمٰن قدسیؒ سے قُربت حاصل رہی...... آپ درس و تدریس سے وابستہ رہے اور 1984ء میں جن دنوں وہ گورنمنٹ شملہ ہائی سکول، راولپنڈی کے ہیڈ ماسٹر تھے صرف دو چار روز کی معمولی سی علالت کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔

☆......☆......☆

''اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ' پیو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو'' (البقرہ۔ 2:60)

کچھ مصنف کے بارے میں

مصنف جو ہارون یحییٰ کے قلمی نام سے لکھتا ہے انقرہ (ترکی) میں 1956ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے ابتدائی اور ثانوی تعلیم انقرہ میں پائی۔ پھر اس نے آرٹس کی تعلیم استنبول کی ممرسنان یونیورسٹی سے حاصل کی اور فلسفہ استنبول یونیورسٹی میں پڑھا۔ مصنف نے 1980ء سے اب تک بہت سی کتابیں سیاسیات اور مذہب و سائنس کے موضوعات پر لکھی ہیں۔ ہارون یحییٰ ایک ایسے مصنف کے طور پر شہرت و ناموری حاصل کر چکے ہیں جس نے ایسی اہم کتب لکھیں جن میں ارتقا پسندوں کی فریب کاری کو طشت ازبام کیا گیا ہے اور ان کے دعووں کے بطلان کو منظر عام پر لا کر ڈارونیت اور جھوٹے نظریات کے درمیان پائے جانے والے تاریک ربط و ضبط کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔

مصنف کا قلمی نامہ ''ہارون'' اور ''یحییٰ'' کے ناموں سے مل کر بنا ہے جو دو ایسے محترم پیغمبروں کی یاد دلاتا ہے جو لامذہبیت کے خلاف لڑے۔ اس مصنف کی کتابوں کے سرِ ورق پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہرِ نبوّت ایک علامتی معانی
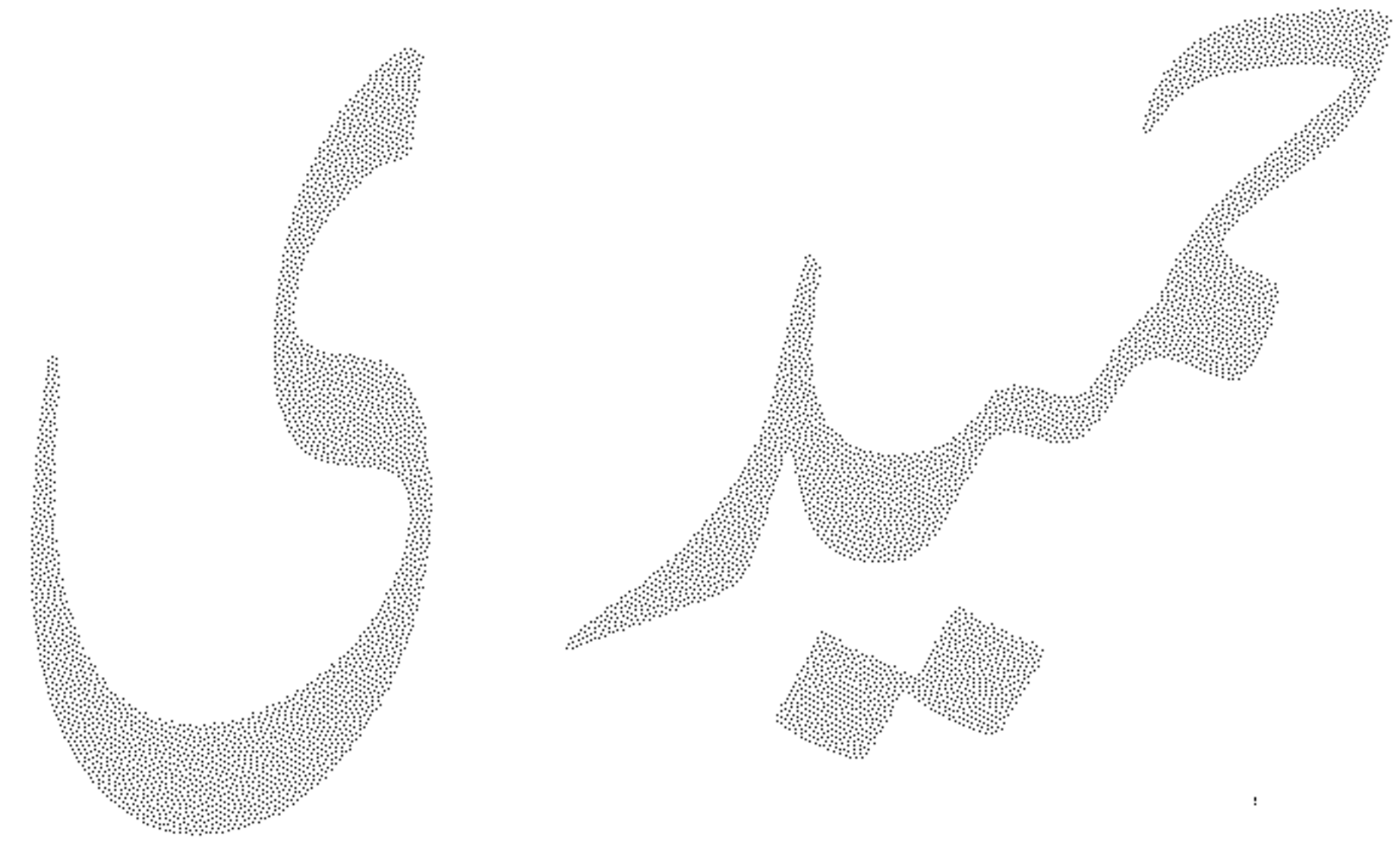
رکھتی ہے جو ان کتابوں کے اوراق میں موجود موضوعات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ مہر اس بات کا ثبوت پیش کرتی ہے کہ قرآن خدا کی آخری کتاب ہے جو اس کا آخری کلام ہے اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں۔ مصنف قرآن وسنت کی رہنمائی میں ان نظریات کے بنیادی عقائد کو غلط ثابت کرتا ہے جن میں خدا کا تصور نہیں پایا جاتا اور خدا کے آخری کلام کے ذریعے مذہب کے خلاف اُٹھائے گئے اعتراضات کو مکمل طور پر رد کر کے معترضین کو خاموش کرا دیتا ہے۔ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جنہوں نے حتمی حکمت و دانائی اور اخلاقِ حسنہ حاصل کیا ان کی مہر کو مصنف نے اس علامت کے طور پر استعمال کیا ہے کہ وہ خدا کے آخری کلام کو کہنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

مصنف کی تمام تصنیف ایک ہی مقصد کے گرد گھومتی ہیں:

''قرآن کا پیغام لوگوں تک پہنچانا'' تاکہ بنیادی عقائد سے متعلق معلومات کے بارے میں سوچنے میں ان کی حوصلہ افزائی کی جا سکے۔ مثلاً خدا کی موجودگی، اس کی واحدانیت، تصورِ آخرت اور نظام ہائے ملحدانہ کے گمراہ کن کاموں اور فرسودہ بنیادوں کو عیاں کرنا۔

ہارون یحییٰ کے قارئین کا وسیع حلقہ بہت سے ممالک بھارت سے امریکا، برطانیہ تا انڈونیشیا، پولینڈ تا بوسنیا، سپین تا برازیل پھیلا ہوا ہے۔ اس کی کچھ کتب کا ترجمہ انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی، پرتگیزی، اردو، عربی، البانی، روسی، بوسنیائی اور (Uygeur Turkish) سنکیانگ شمال مغربی چین میں بولی جانے والی زبان اور انڈونیشیائی زبانوں میں ہو چکا ہے اور دنیا بھر کے قارئین ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

یہ کتابیں دنیا بھر میں پسند کی جاتی ہیں۔ بہت سے لوگوں میں ان کے مطالعے کے بعد خدا میں یقین پیدا ہو جاتا ہے اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے عقیدے میں گہری دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ ان کتابوں میں جو توانائی اور مخلصانہ آسان وسہل اسلوب اپنایا گیا ہے وہ ہر اس شخص کو متاثر کرتا ہے جو ان کتب کا مطالعہ کرتا ہے۔ ان اعتراضات سے قطع نظر جو ان کتب پر کیے جاتے ہیں یہ کتابیں تیزی سے اثر انداز ہوتی ہیں، ان کے خاطر خواہ نتائج نکلتے ہیں اور انہیں ناقابل تردید تصور کیا جاتا ہے۔ ایسا ممکن نہیں کہ جو لوگ ان کتب کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان پر خلوص نیت سے غور وفکر کرتے ہیں وہ مادی فلسفے، الحاد یا کسی دوسرے غلط نظریے کی وکالت کر سکیں اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ محض جذباتی ضد ہوگی کیونکہ یہ کتابیں تو ان باطل نظریات کی اساس کو مسترد کر چکی ہوتی ہیں۔ آج تردید اور انکار کی تمام معاصر تحریکیں شکست کھا چکی ہیں اور اس کے لیے'' یں ہارون یحییٰ کی کتابوں کا ممنون ہونا پڑتا ہے۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ سب کچھ قرآن مجید کی حکمت و دانائی اور سہل و قابل فہم اسلوب کا نتیجہ ہے۔ مصنف کو یقیناً اپنے آپ پر ناز نہیں، وہ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ خدا تک جانے والے صراطِ مستقیم کی تلاش میں سرگرداں افراد کے لیے اس کی کتابیں ایک نشان راہ ثابت ہوں۔ ان کتب کی اشاعت میں اس کے پیشِ نظر کوئی مادی منفعت نہیں ہے۔

ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے وہ افراد جو ان کتب کے مطالعہ میں لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، جو کتابیں دل کی ''آنکھیں' کھول دیتی ہیں اور خدا کے زیادہ مطیع وفرمانبردار بندے بننے میں ان کی رہنمائی کرتی ہیں وہ ایک نہایت قیمتی خدمت سرانجام دیتے ہیں۔

ایسی کتابوں کی تشہیر کرنا جو لوگوں کے ذہنوں میں انتشار پیدا کرتی ہوں انسانوں کو نظریاتی اختلال اور بدنظمی کی طرف لے جاتی ہوں اور جن کا پڑھنے والوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور یہ لوگوں کے دلوں سے شکوک وشبہات رفع نہیں کرتیں محض وقت کا زیاں ہوگا۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایسی کتابیں جو مصنف کی ادبی حیثیت کو منظر عام پر لانے کے لیے لکھی گئی ہوں اور جن کا مقصد لوگوں کے عقیدے کی حفاظت کرنا نہ ہو یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنا گہرا اثر چھوڑ سکیں۔ جس کسی کو اس بات میں شک محسوس ہو اسے صاف نظر آئے گا کہ ہارون یحییٰ کی کتابوں کا اصل مقصد یہ ہے کہ کفر والحاد پر قابو پایا جائے اور قرآن کی اخلاقی اقدار کو عام کیا جائے اس خدمت سے جو کامیابی حاصل ہوئی ہے اور ان کتب کا جو پڑھنے والوں پر اثر ہوا ہے یہ قاری کے عقیدے اور یقین کامل میں جھلکتی ہے۔

ایک بات ذہن نشین کرنے کی ہے: مسلسل ظلم وتشدد باہمی فساد اور ان تمام مشکلات کا جن سے مسلمان آج دوچار ہیں اصل سبب یہ ہے کہ ان کا عقیدہ و ایمان کمزور ہو گیا ہے۔

ان تمام چیزوں کا خاتمہ صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے جب کفر اور تشکیک کو نظریاتی شکست دے دی جائے اور اس بات کا یقین ہو جائے کہ ہر فرد تخلیق کائنات کے مظاہر و عجائبات اور قرآنی اخلاقیات کے بارے میں جانتا ہے تاکہ لوگ اس کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ آج دنیا کی جو حالت ہے اس پر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ لوگوں کو ظلم وتشدد، بدعنوانی اور تصادم کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ اس صورت حال میں ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ خدمت نہایت مؤثر طور پر تیزی کے ساتھ لوگوں تک پہنچائی جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو بہت دیر ہو جائے گی۔

اس بات کے کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ہارون یحییٰ کی کتب نے یہ اہم

کردار سنبھال لیا ہے۔ خُدا نے چاہا تو یہ کتابیں اکیسویں صدی میں امن وسلامتی، روحانی مسرت، عدل وانصاف اور وہ خوشی لائیں گی جس کا قرآن میں وعدہ فرمایا گیا ہے۔

مصنف کی کتابوں میں نیو ماسانک آرڈر، یہودیت اور فری میسنری کا ذکر بھی ہے۔ ان تباہ کاریوں کا ذکر بھی ہے جو ڈارونیت انسانیت کے لیے لائی، تاک میں بیٹھے ہوئے کمیونزم کا بیان بھی ہے، نظریۂ ڈارونیت فاشزم، بوسنیا میں ''خفیہ ہاتھ'' کا بیان بھی ہے، جنگ و جدل کے سبب آنے والی تباہی بھی مذکور ہے، دہشت گردی کا ذکر بھی ہے، اسرائیلیوں کی طرف سے استعمال کردہ کردش کارڈ کا بیان بھی ہے اور ان سب کا حل بھی۔ مصنف کی مطبوعات میں قرآنی اخلاقیات آرٹیکل 3-2-1 ، ابلیس کا ایک ہتھیار۔ رومانویت، سچائیاں 2-1 ، مغربی دنیا خدا کی جانب مڑتی ہے۔ نظریۂ ارتقاء ایک فریب ارتقاء پسندوں کو دیئے گئے مختصر جوابات، نظریۂ ارتقاء کے جھوٹ، تباہ شدہ اقوام، عقل والوں کے لیے، پیغمبر خدا حضرت موسیٰ ؑ ۔ نہری دور، خدا کی فنکارانہ معراج رنگوں میں، خدا کا جلال و جمال ہر طرف ہے، دنیا اور اس کی حقیقت، حقیقت وسچائی جاننا، ابدیت کا آغاز ہو چکا ہے، لازمانیت اور حقیقت تقدیر، ڈارونیت کا سیاہ جادو، ڈارونیت کا مذہب، نظریۂ ارتقا کے 20 سوالات میں موت، اللہ کی نشانیاں، قرآن سے سائنس تک رہنمائی، زندگی کا اصل آغاز، خلیے میں شعور، سلسلۂ معجزات، تخلیق کائنات، معجزات قرآن، کائنات میں فنکاری، ذاتی ایثار وقربانی اور عقلمندانہ رویّہ۔ جانوروں کے نمونے، ڈارونیت کی موت، گہری سوچ بچار، لاعلمی کی وکالت کبھی مت کریں، سبز معجزہ، ضیائی تالیف، خلیائی معجزہ، معجزۂ چشم، مکڑی کا معجزہ، چیونٹی کا معجزہ، مچھر کا معجزہ، معجزۂ نظامِ بریت۔ پودوں میں تخلیق کا معجزہ، معجزۂ ایٹم، شہد کی مکھی کا معجزہ، بیج کا معجزہ، ہارمون کا معجزہ، دیمک کا معجزہ، معجزۂ نوعِ انسان،

معجزۂ تخلیق آدم، پروٹین کا معجزہ راز ہائے ڈی این اے شامل ہیں۔

مصنف نے بچوں کا ادب بھی تخلیق کیا ہے اس کی بچوں کے لیے لکھی گئی مطبوعات یہ ہیں: بچو ڈارون جھوٹ بول رہا تھا، جانوروں کی دُنیا، آسمانوں کی شان وشوکت، ہمارے چھوٹے دوستوں کی دنیا، چیونٹیاں، شہد کی مکھیاں جو بہت عمدہ چھتے تعمیر کرتی ہیں۔ تجربہ کار ڈیم تعمیر کرنے والے: اُود بلاؤ۔

قرآنی موضوعات پر مصنف کی دیگر مطبوعات یہ ہیں: قرآن کے اساسی تصورات، قرآن کی اخلاقیاتی اقدار، عقیدے کو تیزی کے ساتھ سمجھنا **1-2-3**، کیا کبھی سچائی اور حقیقت کے بارے میں سوچا گیا؟ کفر و الحاد کے بارے میں خام فہم و ادراک، خدا کے لیے وقف، جہالت والے معاشرے کو ترک کرنا، مومنین کا حقیقی گھر: جنت، علم قرآن، قرآن کا اشاریہ، خدا کی خاطر ہجرت، قرآن اور منافق کا کردار، منافق، تکبر، قرآن اور عبادت، قرآن اور ضمیر کی اہمیت، یومِ حشر، کبھی نہ بھولیے، قرآنی فیصلے جن سے اغماض برتا گیا، جہالت پر مبنی معاشرے میں انسانی کردار، قرآن اور صبر و تحمل کی اہمیت، قرآن اور عام معلومات، پختہ عقیدہ، اس سے قبل کہ آپ کو پچھتاوا ہو، ہمارے پیغمبروں نے فرمایا، مومنین کے لیے رحم و کرم، خوف خدا، کفر والحاد کا ڈراؤنا خواب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں واپس تشریف لائیں گے، قرآن اور حسین حیات انسانی، خدا کے جمال کا گلدستہ **1-2-3-4**، ناانصافی جس کا نام ''تمسخر'' ہے آزمائش کا بھید، قرآن اور حقیقی دانائی، لامذہبیت کے مذہب کے خلاف جدوجہد، مکتبۂ یوسف، نیکی و اچھائی کے ساتھ اتحاد، پوری تاریخ میں مسلمانوں کے خلاف پھیلائے ہوئے بہتان، اچھے کلام کی پیروی کی اہمیت، آپ اپنے آپ کو کیوں فریب دیتے ہیں؟ اسلام: قرآن کی رو سے سکھ چین، جوش وجذبے اور تحریک کا مذہب، ہر شے میں اچھائی تلاش کرنا، نادان قرآن حکیم کی تشریح

کس طرح کرتے ہیں؟ انکشافاتِ قرآن، مومنین کا حوصلہ و ہمت، قرآن میں امید افزا رہنے کی تلقین، قرآن میں عدل و انصاف اور تحمل و رواداری، اسلام کے اساسی عقائد، وہ جو قرآن کی آواز پر کان نہیں دھرتے۔ قرآن کو رہنمائی کی کتاب سمجھنا۔ گھات میں بیٹھا خطرہ: قُرآن میں بیان کی گئی غفلت اور سچائی۔

❖......❖......❖

عرضِ مترجم!

ہارون یحییٰ کی کتب اکیسویں صدی میں نہ صرف دنیا بھر میں پڑھی جا رہی ہیں بلکہ وہ واحد مصنف ہیں جن کی کم و بیش سو سے زائد کتابیں قرآنی موضوعات پر اب تک شائع ہو چکی ہیں۔ ان کتب کے دنیا کی کم و بیش 16 زبانوں میں تراجم کیے جا چکے ہیں جن میں اردو بھی شامل ہے۔ اُردو میں ہارون یحییٰ کی اب تک درج ذیل نو کتابوں کے تراجم شائع ہوئے ہیں:

1۔ اللہ کی نشانیاں — **Allah is known through reason**

2۔ عقل والوں کے لیے — **For Men of understanding**

3۔ نظریۂ ارتقاء۔ ایک فریب — **Evolution Theory-A deceit**

4۔ تباہ شدہ اقوام — **The Perished Nations**

5۔ دُنیا اور اس کی حقیقت — **The Truth of the life of this world**

6۔ معجزاتِ قرآن — **The Miracles of Quran**

7۔ اسلام اور دہشت گردی — **Islam denounces Terrorism**

8۔ انکشافاتِ قرآن — **The Secrets of Quran**

9۔ چیونٹی کا معجزہ — **The Miracle of the ant**

پہلی سات کتب کا ترجمہ راقم نے کیا ہے۔ ان میں سے پانچ شائع ہو چکی ہیں جبکہ ''اسلام اور دہشت گردی'' زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے جا رہی ہے۔

دہشت گردی دورِ حاضر کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے جس نے دنیا کے بہت سے ممالک میں بسنے والے انسانوں کی زندگی کا امن وسکون چھین لیا ہے۔ ان میں کچھ ممالک ایسے ہیں جہاں اس مسئلے نے حکومتوں کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے مثلاً امریکا، برطانیہ، آسٹریلیا، رُوس، سری لنکا، بھارت، پاکستان، سعودی عرب، انڈونیشیا، تھائی لینڈ...... 11۔ستمبر 2001ء کی دہشت گردی نے امریکا جیسے بڑے ملک اور دنیا کی واحد سپر پاور کو ایک ایسے خوف و ہراس میں مبتلا کر دیا ہے جو دوسرے ملکوں کو ''نیوورلڈ آرڈر'' دینا چاہتا ہے۔

ہارون یحییٰ نے دہشت گردی کے پھیلنے کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے دنیا کے تین بڑے مذاہب: اِسلام، عیسائیت، یہودیت کے ماننے والوں کو ان کی فراموش شدہ مذہبی تعلیمات از سرِنو یاد دلائی ہیں۔ اپنے موضوع کو زیادہ مدلل اور دلنشین بنانے کے لیے وہ تینوں آسمانی کتب کے حوالوں کے ساتھ مسیحی سکالرز کی کتابوں کے حوالے بھی دیتے چلے گئے ہیں۔ مصنف کے خیال میں ان تین میں سے کوئی مذہب بھی دہشت گردی کی اجازت نہیں دیتا، البتہ ان مذاہب کی تعلیمات سے بے علمی یا کم علمی لوگوں کو دہشت گرد تنظیموں میں شامل ہونے سے نہیں روکتی۔ وہ دہشت گردی کی جڑیں تلاش کرتے وقت ''ڈارونیت'' اور ''مادہ پرستی'' کے نظریات

تک جا پہنچتا ہے اور یہ ضروری تصور کرتا ہے کہ دنیا کے وہ بہت سے ممالک جہاں ''ڈارونیت'' کو نصابی کتب میں شامل کیا گیا ہے، وہاں اسے خارج از نصاب کرنا بہت ضروری ہے۔

اس کتاب کا زیادہ تر حصّہ اسلام میں دہشت گردی جرم ہے کے موضوع سے بحث کرتا ہے۔ مصنف نے قرآنی آیات کے حوالوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم مغربی سکالرز کے حوالے بھی دیئے ہیں جہاں دہشت گردی کی مذمّت کی گئی ہے۔ صلیبی جنگوں کا ذکر بطور خاص ہوا ہے اور تاریخ کے مستند حوالوں سے مغربی دنیا کو بطور خاص یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسلم فاتحین کے حسن سلوک کی مثالوں سے تاریخ بھری ہوئی ہے۔ تینوں مذاہب کے ماننے والوں کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ اپنے اپنے مذہب کی تعلیمات کو عام کریں اور دہشت گردی کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنا کر لڑیں تا کہ دنیا بھر سے اس کا قلع قمع کیا جا سکے...... اسلام کا مقدمہ بطور خاص لڑتے ہوئے مصنف نے قرآنی حوالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمان اپنے دفاع کے لیے جب جنگ پر مجبور کر دیئے جاتے ہیں تو وہ اسلامی جنگی اصولوں کو ہمیشہ سامنے رکھتے ہیں۔ وہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں پر ہاتھ نہیں اُٹھاتے، جنگ میں مارے جانے والے دشمنوں کی لاشیں مسخ نہیں کرتے، نہ ان کے جسم کے اعضاء کاٹتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے اور مغربی دنیا نے اسے تسلیم کیا ہے کہ سلطنتِ عثمانیہ میں مسلمان اور عیسائی شیر و شکر ہو کر زندگی گزارتے تھے۔ ہم اس موضوع کے حوالے سے جب اپنے وطن عزیز پر نظر ڈالتے ہیں تو دہشت گردی کی وارداتوں میں فرقہ واریت کا ہاتھ بھی کارفرما نظر آتا ہے، مساجد، امام بارگاہیں اور گرجے غیر محفوظ ہو گئے ہیں جو کبھی امن وسلامتی اور تحفظ کے ایسے مقامات ہوتے تھے جن کے باہر نہ کبھی مسلح گارڈ کھڑے

کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی نہ کسی عبادت گاہ کے اندر عبادت میں مصروف لوگ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے تھے۔ اگر دُنیا بھر سے ہم دہشت گردی ختم نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنے وطن کو تو اس ظلم و بربریت سے پاک کر دیں۔ اس کام میں رہنمائی کے لیے ہمارے پاس وہ نسخہ کیمیا موجود ہے جس پر صدقِ دل سے عمل کرنے سے ہم فرقہ وارانہ اختلافات کو ختم کر سکتے ہیں۔

ہمارے ہاں دہشت گردی میں آئے دن اضافے کی ایک بڑی وجہ عدل و انصاف کی کمی دہشت گردی پر آمادہ کرنے کے لیے برین واشنگ امیر غریب کے درمیان موجود وسیع خلیج اور قانون کا سب کے لیے یکساں نہ ہونا ہے...... عدالتیں، تھانے بارسوخ افراد سے اور طرح کا سلوک کرتے ہیں اور ان غریب اور مظلوم انسانوں سے دوسری طرح کا، جن کو عدل و انصاف نہیں ملتا تو وہ دہشت گرد تنظیموں کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ ان کی مذہبی تعلیم، خوف خدا سب دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے اور تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق وہ پیسے کی خاطر یا انتقام کی خاطر دوسروں کے قتل پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس حوالے سے مذہبی رہنماؤں اور پیشواؤں کی ذمہ داری کئی چند بڑھ جاتی ہے۔ وہ اگر چاہیں تو اپنے اپنے فرقے کے افراد کو فروعی اختلافات ختم کر کے دوسرے فرقوں کے لوگوں سے مل جل کر محبت و آشتی سے زندگی گزارنے پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ عدالتوں میں انصاف بلا کسی امتیاز کے ملنے لگے، قانون سب کے لیے یکساں ہو جائے، محروم انسانوں کی محرومیاں ختم ہو جائیں تو دہشت گردی کا نام و نشان تک مٹ سکتا ہے۔

جب ہم عالمی تناظر میں اس مسئلے پر غور و فکر کرتے ہیں تو ایک بات بہت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ مغرب نے موجودہ دہشت گردی میں اسلام اور اس کے ماننے والوں سے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ ایک ایسی معاندانہ روش اختیار کر

لی ہے جس میں دیکھتے ہی دیکھتے یہ اسلام کے خلاف ایک جنگ کی صورت بن گئی ہے۔ ہنود تو ایک طرف خود اہل کتاب جن کے ساتھ مسلمان قرآنی تعلیمات کی روشنی میں امن و چین کی زندگی گزارتے رہے ہیں، آج اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک ایسی جنگ بغیر کسی اعلان کے شروع کر چکے ہیں جس کے ختم ہونے کی کوئی صورت اس لیے دکھائی نہیں دے رہی کیونکہ یہود و نصاریٰ کی آبادیوں والے چھوٹے بڑے ملکوں نے دوہرے معیار اپنا رکھے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے الگ اور اپنے ہم مذہب ملکوں کے لیے الگ۔

کشمیر، فلسطین، عراق، افغانستان کی بات ہو تو دنیا کو نیا عالمی نظام دینے والوں یا عالمی عدالت انصاف کے فیصلے اور طرح کے ہوتے ہیں اور اسرائیل، بھارت، برطانیہ کا کوئی مسئلہ ہو تو فیصلے وہ کیے جاتے ہیں جو کبھی بھی عدل و انصاف پر مبنی نہیں ہوتے۔ جب کوئی طاقتور اور بڑا ملک کمزور او چھوٹے ملک پر ظلم و زیادتی کرتا ہے تو ظالم ملک کے ساتھ ساتھ اس ملک کے رہنے والوں اور ان کے مذہب سے نفرت جنم لیتی ہے۔ جب اس نفرت کی کھیتی پک جاتی ہے تو قوموں اور ملکوں کے درمیان ایک ایسا زہر پھیل جاتا ہے جس کا تریاق تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملتا۔

دہشت گردی، انتہا پسندی یا عسکریت پسندی کے پیچھے کارفرما ہاتھ اس صیہونیت کا ہے جو امریکا کی تمام خارجہ پالیسیوں کا فیصلہ تل ابیب میں بیٹھ کر کرتی ہے اور غیر یہودیوں کی نسل کشی اس کی طاقت کا اصل راز ہے۔ اس صیہونیت کا دعویٰ ہے کہ ''ہم پریس پر مکمل کنٹرول حاصل کریں گے اور ہماری مرضی و منشا کے بغیر کوئی خبر عوام تک نہیں پہنچ پائے گی۔ اس وقت بھی خبروں کی دنیا پر ہماری ہی اجارہ داری ہے۔ ایک وقت وہ آئے گا جب دنیا کی تمام خبر رساں ایجنسیوں پر

ہمارا ہی کنٹرول ہوگا اور پریس کی دنیا میں صرف ہمارا ہی سکہ چلے گا...........ہم دوسری اقوام کو حصول زر کی دوڑ میں مصروف کر دیں گے تاکہ وہ اپنے مشترکہ دشمن کو نہ پہچان پائیں۔'' ان مقاصد کے حصول کے لیے صیہونیت جس منظم طریقے سے مصروف عمل ہے عالمی دہشت گردی میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے جس کا ذکر ہارون یحییٰ نے اس کتاب میں تو نہیں کیا ہو سکتا ہے اس موضوع پر الگ سے کوئی کتاب لکھی ہو۔

دور حاضر کی نام نہاد مغربی تہذیب انسانیت کے نام پر کلنک کا ٹیکا بن گئی ہے..........طاقتور ملکوں نے کیسے کیسے حیلوں بہانوں سے کمزور مسلم ممالک کو ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا۔ لہلہاتی کھیتیاں اجاڑ دیں، مُردہ اِنسانی جسموں کے اعضاء کاٹ پھینکے گئے، گلاب کے پھولوں جیسے معصوم بچوں کو اپاہج بنا دیا گیا، بیماروں، بوڑھوں، عورتوں، بچوں کی اس وحشت و بربریت کا نشانہ بنایا گیا جس کی مثال اس سے قبل کی تاریخ انسانی میں کہیں نظر نہیں آتی۔ اپنے آپ کو مہذّب، تہذیب یافتہ اور کلچرڈ کہنے والوں نے ان قیدیوں سے کیا سلوک کیا جن پر مظالم کے پہاڑ بھی خود انہوں نے ڈھائے تھے ان قیدیوں نے ان کا کیا بگاڑا تھا اس کے برعکس اگر کہیں اہلِ کتاب میں سے کوئی مرد یا عورت کہیں مسلمانوں کی قید میں آ گئی تو مسلمانوں نے ان کے ساتھ جس حُسن سلوک کا مظاہرہ کیا اس کی ایک مثال افغانستان میں امریکی حملوں کے دوران قید ہو جانے والی اس مغربی خاتون کرسٹینا امان پور کی ہے، جو دنیا اور دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ کے سامنے آ چکی ہے۔ اس خاتون کا باپ ایرانی اور ماں انگریز ہے۔ یہ سی این این کی بین الاقوامی خبروں کے شعبے کی سربراہ اور نمائندہ ہے۔ اس نے ایک گفتگو میں کہا:

''......بچوں کا خوف اور پٹیوں میں زخمی لپٹا ہوا دیکھنا اب میرے بس

کی بات نہیں ہے......''

پُوری مغربی دُنیا کے لیے بالخصوص اہل کتاب کے لیےتو ہمارا مختصر سا پیغام یہ ہے:

''جس عدل و انصاف کا ڈھنڈورا پیٹتے ہو اسے بلاتفریق مذہب و ملت سب کے لیے یکساں کردو، اپنے ملکوں اور ان میں بسنے والوں کی فکر کرو، یونانی سکندرِ اعظم جیسا خواب دیکھنا بند کردو، 'زندہ رہو اور زندہ رہنے دو' پر عمل کرو، جس نفرت کو مسلمانوں کے دلوں میں اب تک جاگزیں کر چکے ہو، اسے اپنے حسن سلوک اور حُسن عمل سے دور کرنے کی کوشش کرو، تمہارے ملک بھی محفوظ ہو جائیں گے اور لوگ بھی اور جس دہشت گردی کو ختم کرنے کی آج تمہیں کوئی سبیل نہیں سوجھ رہی وہ اپنی موت آپ مر جائے گی۔''

اُور اپنے ہموطنوں سے درخواست ہے کہ قرآن سے ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے جوڑ لو۔ فرقہ واریت کی اس آگ کو بجھا دو جو تمہارے خرمن کو راکھ کے ڈھیر میں بدلنے پر اس لیے تلی ہوئی ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہو گئے ہو، تم نے قرآن اور اس کی تعلیمات کو فراموش کر دیا ہے اور فساد پھیلانے والوں کے ساتھیوں میں شامل ہو گئے ہو۔''

اللہ کرے ہمارے دلوں پر لگے قفل کھل جائیں، اور ہم غور و فکر کرنے لگیں۔

مساجد کے لاؤڈ سپیکروں کا رُخ مساجد کے اندر ہو جائے اور ہمارے علماء یہ سوچنے لگیں کہ جس ''مسجد ضرار'' کا ذکر ہم نے بارہا پڑھا اور سنا ہے کہیں اس جیسی مساجد

کی تعداد میں دن بدن اضافہ تو نہیں ہو رہا............

اس کتاب کے مصنف ہارون یحیٰ استنبول (ترکی) میں بیٹھے جو چراغ جلائے ہوئے ہیں۔ اللہ کرے شرک و الحاد کی آندھیوں کی زد میں رکھا سرِدیوار یہ چراغ یوں ہی جلتا رہے اور اس احقر نے ان کی اس تصنیف کو اُردو ترجمے کی شکل دے کر اسے اردو خواں قارئین تک پہنچانے کی جو کوشش کی ہے رب العالمین اسے قبول فرمائے..... آمین

ڈاکٹر تصدق حُسین راجا

اسلام آباد (پاکستان)

فون نمبر 2106124

☆......☆......☆

''...........اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے۔''

(البقرہ۔ 2:205)

فہرست

......

”بیشک جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے شائستہ اعمال کیے ہیں ان کے لیے اللہ رحمٰن محبت پیدا کر دے گا۔“

(مریم۔ 19:96)

تعارف

ہم مسلمانوں کی حیثیت سے امریکا کے دو بڑے شہروں پر 11 ستمبر 2001ء کے دہشت گردوں کے حملوں کی پُرزور مذمت کرتے ہیں۔ یہ وہ حملے تھے جن میں ہزاروں معصوم انسان لقمۂ اجل بنے اور زخمی ہوئے۔ ہم امریکی قوم سے اظہارِ تعزیت کرتے ہیں۔ ان حملوں کے بعد دہشت گردی کے اصل منبع کا اہم مسئلہ عالمی سطح پر اُبھر کر سرفہرست آ گیا ہے۔ اس موقعہ پر اسلام نے دنیا کے سامنے واضح الفاظ میں یہ اعلان پیش کیا کہ یہ امن و سلامتی کا مذہب ہے جو انسانوں سے رحمدلی و ہمدردی اور تعاون سے انسانوں کے ساتھ پیش آنے کی تلقین کرتا ہے۔ بہت سے عالمی رہنماؤں، ذرائع ابلاغ، مشہور شخصیتوں، ٹیلی وژن اور ریڈیو سٹیشنوں نے اپنی اپنی جگہ اس بات کو عام کرنے کی پوری کوشش کی کہ اصل اسلام تو ظلم و تشدد سے روکتا اور انسانوں اور قوموں کے درمیان امن و سلامتی کے فروغ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

”اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک

کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے۔ وہ خود تمہیں نصیحت کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔'' (النحل۔ 16:90)

اب وہ مغربی حلقے جو اسلام کو پوری طرح سمجھنے لگے ہیں اور جو اس بات سے بخوبی آگاہ ہو گئے ہیں کہ قرآن میں اللہ نے اسلام کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے یہ جان گئے ہیں کہ ''اسلام'' اور ''دہشت گردی'' دو ایسے الفاظ ہیں جو ساتھ ساتھ رہ ہی نہیں سکتے اور کوئی بھی ربانی مذہب ظلم و زیادتی کی اجازت نہیں دیتا۔

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ دہشت گردی کے جس منبع کی ہم مذمت کرتے ہیں اس کا تعلق یقیناً کسی بھی ربانی مذہب سے نہیں ہے اور یہ کہ اسلام میں دہشت گردی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن جو اسلام کا اصل منبع ہے اور جس پر تمام حقیقی مسلم حکمران عمل کرتے ہیں، اس میں یہ بات واضح کردی گئی ہے اور ان سب میں اوّلیت اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اس کتاب میں جس موضوع پر لکھا گیا ہے اس کے لیے قرآنی آیات سے مدد لی گئی ہے نیز ایسی تاریخی مثالیں پیش کی گئی ہیں جن سے یہ حقیقت روشن ہو کر سامنے آتی ہے کہ اسلام دہشت گردی سے روکتا اور پوری دنیا میں امن و سلامتی اور بنی نوع انسان کے لیے تحفظ لانے کا خواہشمند رہتا ہے۔

ہم یہ بات جانتے ہیں کہ دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف گروہوں نے متنوع مقاصد کے لیے دہشت گردی کی ہے۔ اس قابلِ مذمت فعل کی ذمہ داری کبھی تو کسی اشتراکی تنظیم نے قبول کی تو کبھی کسی فسطائی گروہ نے اور کبھی کچھ انقلاب پسندوں اور علاحدگی پسندوں نے اس کارروائی کی ذمہ داری کا اعتراف کیا۔ امریکا جیسے ملک اکثر ان انقلاب پسندوں کے حملوں کا نشانہ بنے۔ اس کے علاوہ کچھ دہشت گردوں

کے گروہوں نے یورپ کے کئی ممالک کو اپنے حملوں کا ہدف بنایا۔ 17 نومبر کو یونان میں آر اے ایف نے، جرمنی میں نو نازیوں نے، ای ٹی اے نے اسپین میں، ریڈ بریگیڈز نے اٹلی میں اور دیگر بہت سی تنظیموں نے ظلم و تشدد اور دہشت گردی کے ذریعے اپنی آوازیں دنیا بھر میں سنانے کے لیے نہتے اور معصوم انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ لیے تھے۔ جوں جوں عالمی سطح پر تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اسی طرح دہشت گردی کی نوعیت بدلتی رہتی ہے۔ ترقی یافتہ ٹیکنالوجی سے ظلم و بربریت کے ان کاموں میں مدد لی جاتی ہے۔ مغربی تنظیموں کے علاوہ مشرق وسطیٰ میں تشکیل پانے والی دہشت گردی کی تنظیمیں بھی ہیں۔ یہ گروہ دنیا کے کونے کونے میں دہشت گردی کے حملے کرتے رہتے ہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ دہشت گردی کا ارتکاب کرنے والوں میں عیسائی، مسلمان اور یہودی شامل ہوتے ہیں حالانکہ ربانی مذاہب ایسے کاموں کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر دہشت گردوں میں شناخت کے وقت یہ پتا چلتا ہے کہ یہ مسلمان تھے تو اسے ''اسلامی دہشت گردی'' کا نام تو نہیں دیا جانا چاہیے، بالکل اسی طرح جیسے اسے ''یہودی دہشت گردی'' نہیں کہا جا سکتا اگر دہشت گرد یہودی تھے نہ ہی اس پر ''عیسائی دہشت گردی'' کا لیبل لگایا جا سکتا ہے اگر ظلم و زیادتی کی یہ کارروائی کسی عیسائی نے کی ہو۔

جب کبھی بھی کسی دہشت گردی کی کارروائی کے سبب پر نظر ڈالی جاتی ہے اُس وقت اس کے مخالف مذہب اور نظریاتی منبع پر بھی ضرور نگاہ ڈالنی چاہیے۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے یہ تو محبت، رحمدلی، عفو و درگزر، امن وسلامتی اور زندگی گزارنے کے اعلیٰ اخلاقی معیارات اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے...... دوسری طرف دہشت گردی تو ظلم و زیادتی، تشدد، خون خرابے اور قتل و غارت کا ساتھ دیتی ہے۔

آئندہ صفحات میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ مذہب کے نام پر معصوم انسانوں کا قتل کسی صورت میں پسندیدہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ ہمیں یہ بات کبھی فراموش

نہیں کرنی چاہیے کہ جو انسان نیویارک اور واشنگٹن میں مارے گئے وہ حضرت عیسیٰ ؑ کے ماننے والے (عیسائی) تھے۔ کچھ حضرت موسیٰ ؑ کے ماننے ہوں گے (یہودی) اور ان میں یقیناً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار (مسلمان) بھی ہوں گے۔ جب تک اللہ ان معصوم انسانوں کے قتل کو معاف نہ کر دے یہ اتنا بڑا گناہ ہے جو جہنم رسید کرنے کے لیے کافی ہے۔

یہ ظالم لوگ اس ظلم و تشدد کا ارتکاب صرف اس ارادے سے کرتے ہیں کہ یہ خود مذہب پر حملہ کر رہے ہیں۔ اس ظلم و زیادتی کے مرتکب افراد مذہب کو انسانوں کی نظر میں ایک برائی کے طور پر پیش کرتے ہیں تاکہ لوگ مذہب سے متنفر ہو جائیں اور مذہبی لوگوں سے دوسرے انسان نفرت کرنے لگیں۔ چنانچہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امریکی شہریوں پر یا معصوم انسانوں پر کیا گیا ہر حملہ جو مذہب کا لبادہ اوڑھ کر کیا جائے وہ دراصل مذہب پر حملہ ہوگا۔

مذہب تو محبت، رحمدلی اور امن و سلامتی کی تعلیم دیتا ہے اور دہشت گردی مذہب کے بالکل خلاف ہے۔ اس میں ظلم و تشدد، بے رحمی، خون ریزی اور اذیت شامل ہوتی ہے۔ جب صورت حال یہ ہو تو کسی بھی دہشت گردی کی واردات کی اسباب مذہب کی بجائے مذہب سے دوری میں تلاش کی جانی چاہئیں۔ ایسے لوگ جو [illegible] فرقہ واریت یا مادہ پرستی کی نظر سے زندگی کو دیکھتے ہیں ان ہی [illegible] کی حیثیت سے شک کی نظر سے دیکھا جانا چاہیے۔ گولی مارنے والے یا [illegible] خوف چلانے والے کی شناخت زیادہ اہم نہیں ہوتی۔ اگر ایسا شخص پلک جھپکنے کی دیر میں معصوم انسانوں کی زندگیوں سے کھیل سکتا ہے تو وہ یقیناً ایمان کی دولت سے مالا مال شخص نہیں ہو سکتا وہ صرف اور صرف وہ ہو سکتا ہے جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہو۔ وہ ایسا قاتل ہوتا ہے جس کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہوتا۔ اس کا مقصد خون بہانا اور نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ''اسلامی دہشت

گردی'' ایک غلط تصور ہے جو اسلام کے پیغام کے منافی ہے۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو دہشت گردی کا لبادہ اوڑھ ہی نہیں سکتا۔ اس کے برعکس دہشت گردی (معصوم انسانوں کا قتل) اسلام میں گناہِ عظیم ہے اور مسلمانوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس قسم کی وارداتوں کو روکیں اور دنیا میں امن و سلامتی اور عدل و انصاف کو عام کریں۔

'اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ' پیو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو'
(البقرہ۔ 2:60)

❖.....❖.....❖

اسلامی اخلاقیات

اَمن وسلامتی اور تحفظ کا سرچشمہ

ایسے لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ مذہب کے نام پر سب کچھ کیا جا رہا ہے وہ دراصل مذہب کو غلط سمجھ رہے ہوتے ہیں اور مذہب کی فہم کی اس غلطی کے نتیجے میں وہ اس پر عمل میں بھی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ اسی لیے یہ بہت ضروری ہو جاتا ہے کہ اس مذہب کے بارے میں کوئی رائے قائم کرتے وقت ان لوگوں کو مثال کے طور پر سامنے نہ رکھا جائے۔ کسی مذہب کو سمجھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے خدائی منبع ومبدا یا سرچشمے کا مطالعہ کیا جائے۔

اسلام کا خدائی سرچشمہ قرآن ہے۔ اس آسمانی کتاب کے نظریات کی بنیاد اخلاقیات، محبت، رحمدلی، عجز وانکساری، ایثار وقربانی، رواداری اور امن وسلامتی پر ہے۔ ایک مسلمان جو اِن نظریات کی روشنی میں زندگی گزارتا ہے وہ نرم دِل ہوتا ہے، غور اور تدبر کرنے والا منکسر المزاج اور حیادار ، عادل اور قابل بھروسہ ہوتا ہے اور آسانی سے ساتھ چل سکتا ہے ۔ وہ اپنے ارد گرد محبت، احترام، دوستی اور خوشیاں

بانٹنے والا ہوتا ہے۔

اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے

دہشت گردی وسیع معنوں میں وہ ظلم وتشدد ہے جو سیاسی مقاصد کے لیے غیر مسلح اہداف کے خلاف کیا جاتا ہے۔ اسے دوسرے لفظوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ دہشت گردی کے اہداف معصوم شہری ہوتے ہیں جن کا ان دہشت گردوں کی نظر میں ایک ہی جرم ہوتا ہے کہ وہ ''دوسری جانب'' کی نمائندگی کرتے ہیں۔

اس بنیاد پر دہشت گردی کا مطلب صرف یہ لیا جاتا ہے کہ اس میں معصوم انسانوں کو ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا جاتا ہے جو ایک ایسا فعل ہے جس کے لیے کوئی اخلاقی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اور وہ سارے قتل جو ہٹلر اور سٹالن نے کیے ایسے جرائم ہیں جو پوری انسانیت کے خلاف کیے گئے۔

دہشت گردوں کا مقصد ظلم وتشدد، تصادم، اِنتشار اور خوف و ہراس پھیلانا ہوتا ہے۔ وہ معاشرہ جس میں اسلامی اقدار کی صحیح معنوں میں قدر کی جاتی ہے وہ ایک ایسا معاشرہ ہوتا ہے جس میں امن و سلامتی، عفو و درگزر، محبت، رحمدلی اور باہمی تعاون اور سانجھی خوشیاں ہوتی ہیں۔

قرآن ایک ایسا آسمانی صحیفہ ہے جو لوگوں کو صراط مستقیم دکھانے کے لیے نازل ہوا اور اس کلامِ الٰہی میں انسان کو خدا نے اخلاق حسنہ اپنانے کا حکم دیا ہے۔ اس اخلاق میں محبت، رحمدلی، رواداری اور ہمدردی کا تصور شامل ہے۔ لفظ ''اِسلام'' عربی میں امن و سلامتی کے معانی رکھنے والے لفظ سے نکلا ہے۔ اسلام اس مقصد کے ساتھ بنی نوع انسان کے لیے آیا ہے کہ لامحدود رحمدلی اور خدا کی رحمت اس زمین پر ظاہر ہو۔ خداوند تعالیٰ تمام انسانوں کو اسلامی اخلاقیات کی طرف بلاتا ہے تا کہ اس کے ذریعے رحمدلی، ہمدردی، رحمت، کرم اور امن وسلامتی پوری دنیا کے

انسانوں کو مل سکے۔ سورۃ البقرہ کی آیت 208 میں اللہ ایمان والوں سے یوں مخاطب ہے:

''ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے''۔ (2:208)

جیسا کہ اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ امن و سلامتی اور تحفظ صرف اس صورت میں یقینی ہو جاتا ہے جب کوئی اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ قرآن میں دی گئیں اقدار کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ قرآن ہر مسلمان پر یہ لازم کر دیتا ہے کہ وہ تمام انسانوں سے خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان مہربانی اور عدل سے پیش آئے آئے معصوموں اور ضرورت مندوں کی مدد کرے۔ ان کو تحفظ دے، برائی کو پھیلنے سے روکے۔ برائی میں ہر قسم کا انتشار، دہشت گردی شامل ہے جو امن و سلامتی، آرام وسکون اور تحفظ کو برباد کر دیتے ہیں۔

''..........اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے۔'' (البقرہ۔ 2:205)

بغیر کسی سبب کے، بلاوجہ کسی انسان کو قتل کرنا فتنہ وفساد کی بیّن مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں اپنے فرمان کو دُہراتا ہے جو اس نے اس سے قبل انجیل مقدس میں یہودیوں کو دیا تھا:

''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے، اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا.....'' (المائدہ۔ 5:32)

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی ایک انسان کو بھی قتل کر دیتا ہے تاوقتیکہ یہ کسی اور کے غصہ دلانے کے جواب میں ہو یا زمین پر فساد پھیلانے کے لیے ہو تو اس کا یہ جرم ایسا ہی ہے جیسے اس نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا ہے۔

اس صورت حال میں معلوم ہوا کہ قتل و خونریزی، دہشت گردی کی وارداتیں یا جن کو آج کل ''خود کش حملے'' کہا جاتا ہے، جن کا ارتکاب دہشت گرد کرتے ہیں، گناہ عظیم ہیں۔

سورۃ المائدہ کی آیت 32 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر کسی نے کسی ایک انسان کو ناحق قتل کر دیا ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔ گویا ایک انسان کا قتل بھی قرآن کی اخلاقی تعلیمات کے خلاف ہے۔

درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ ہمیں آگاہ فرماتا ہے کہ قیامت کے روز دہشت گردی کرنے والوں کو کیسی سزا دی جائے گی:

''یہ راستہ صرف ان لوگوں کا ہے جو خود دوسروں پر ظلم کریں اور زمین میں ناحق فساد کرتے پھریں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے''۔ (الشوریٰ۔42:42)

ان ساری باتوں سے معلوم ہوا کہ دہشت گردی کے کاموں کو معصوم انسانوں کے خلاف منظم کرنا اسلام کے خلاف ہے اور یہ کسی مسلمان کے شایان شان نہیں کہ وہ اس قسم کے جرم کا ارتکاب کرے۔ اس کے برعکس مسلمان تو ایسے جرائم کو روکتے ہیں اور زمین پر پھیلے ''فتنہ وفساد'' کو دور کرتے ہیں تاکہ دنیا بھر کے انسانوں کو امن و سلامتی اور تحفظ فراہم کرسکیں۔ اسلام کا دہشت گردی کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو دہشت گردی کو روکنے کا راستہ ہے، حل ہے اس مسئلے کا۔

اللہ نے فتنہ وفساد کی مذمت کی ہے

اللہ نے انسانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ برائی، ظلم، قتل و خونریزی سے باز رہیں کہ یہ سب ممنوع ہیں۔ جو اس کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے اس نے انہیں ''شیطان کی پیروی'' کرنے والے کہا ہے۔ اِسے قرآن میں گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اس موضوع پر قرآن میں دی گئی چند آیات ملاحظہ فرمایئے:

''اور جو اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے لعنتیں ہیں اور ان کے لیے بُرا گھر ہے'' (الرعد۔13:25)

''......اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ پیو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو'' (البقرہ۔2:60)

''......اور دنیا میں فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ کی عبادت کرو، اس سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے''۔ (الاعراف۔7:56)

وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ فتنہ و فساد پھیلا کر معصوم انسانوں کو قتل کر کے اور ظلم و ستم کر کے وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اللہ نے فتنہ و فساد کے تمام کاموں بشمول دہشت گردی اور ظلم و تشدد سے منع فرمایا ہے اور جو ایسے کاموں میں ملوث ہوتے ہیں ان پر لعنت بھیجی ہے۔ فرمایا:

''اللہ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا۔'' (یونس۔10:81)

آج کے دور میں دہشت گردی، انسانی قتل و خونریزی اور نسل کشی کی

وارداتیں دنیا بھر میں ہو رہی ہیں۔ معصوم انسانوں کو بے دردی سے قتل کیا جا رہا ہے اور ایسے ممالک جہاں لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نفرتیں پیدا کی جا رہی ہیں مصنوعی وجوہ کی خاطر خون میں ڈوبتے جا رہے ہیں۔ دہشت گردی کی یہ وارداتیں مختلف ممالک میں جن کی تاریخ، ثقافت اور سماجی ڈھانچے مختلف ہیں۔ مختلف حیلوں بہانوں سے منظرعام پر آتی ہیں۔ تاہم ایک بات طے ہے کہ اس کا بنیادی سبب اس اخلاقیات سے دوری ہے جس کی بنیاد اس محبت، عزت و احترام، رواداری پر ہے جو مذہب کے ساتھ آتی ہے۔ مذہب کا دامن ہاتھ میں نہ ہو تو لوگوں کے دلوں سے خوف خدا اور یہ یقین رخصت ہو جاتا ہے کہ قیامت کے روز ان سے حساب لیا جائے گا۔ ان کے خیال میں انہیں ''اپنے کاموں کا کوئی حساب نہیں دینا ہوگا'' اسی لیے جب یہ کام کرتے ہیں تو رحمدلی، اخلاقیات اور زندہ ضمیری کا کوئی تصور ان کے ذہنوں میں نہیں ہوتا۔

دہشت گردی کے کاموں کے بظاہر کئی اسباب ہیں جن میں اب تک ہزاروں جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ ایسی وارداتوں میں ملوث لوگوں کو اللہ کا ڈر نہیں ہوتا۔ مذہب جس اخلاقیات پر زور دیتا ہے اسے یہ کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

ایسے منافقین جو اللہ کے نام پر وجود میں آتے ہیں، وہ ایسے کام کرتے ہیں جو فتنہ و فساد پر مشتمل ہوتے ہیں اور جسے اللہ نے ناپسند فرمایا ہے۔ ایک آیت قرآنی میں ان نو افراد کے جتھے کا ذکر ہے جنہوں نے اللہ کے پیغمبر کی جان لینے کا منصوبہ بنایا تھا اور خدا کی قسم کھائی تھی:

''اس شہر میں نو سردار تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے رہتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے آپس میں بڑی قسمیں کھا کھا کر عہد کیا کہ رات ہی کو حضرت صالحؑ اور اس کے گھر والوں پر ہم چھاپہ ماریں گے اور اس کے وارثوں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم

اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔ انہوں نے مکر (خفیہ تدبیر) کیا اور ہم نے بھی اور وہ اسے سمجھتے ہی نہ تھے۔'' (النمل۔27:48-50)

قرآن حکیم میں مذکور یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ لوگ خدا کی قسمیں کھا کر اپنے آپ کو مذہبی ظاہر کرتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ جو کام وہ کرنے جا رہے ہیں اس کی مذہب اجازت دیتا ہے۔ اس کے برعکس یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو وہ کررہے ہیں وہ خدا کی مرضی اور مذہبی اخلاقیات کے خلاف ہے۔ اس معاملے کی حقیقت تو ان کے کاموں میں موجود ہے۔ اگر اُن کے کاموں سے فتنہ وفساد پھیل رہا ہے اور دور نہیں ہورہا جیسا کہ اوپر والی آیت میں مذکور ہے تو پھر آپ یقین کرلیں کہ یہ لوگ مذہبی بالکل نہیں ہیں نہ ہی ان کا مقصد مذہب کی کوئی خدمت بجا لانا ہے۔

کسی ایسے فرد کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ خوفِ خدا بھی رکھتا ہو اور اسلام کی روح سے بھی واقف ہو اور پھر فتنہ وفساد یا ظلم وتشدد کی مدد کرے یا خود ایسے کاموں میں ملوث ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ہی دہشت گردی کا اصل حل ہے۔ جب قرآن میں مذکور حسنِ اخلاق کی بات ہورہی ہو تو لوگوں کے لیے یہ ممکن ہی نہیں رہتا کہ وہ اسلام کو ان افراد کے ساتھ نتھی کرسکیں جو ایسے گروہوں کی مدد کررہے ہوں یا خود ان میں شامل ہو گئے ہوں جو نفرت، جنگ و جدل اور انتشار پھیلا رہے ہوتے ہوں۔ یہ اس لیے کہ اللہ نے فتنہ وفساد کو ممنوع قرار دیا ہے:

''جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے اور کھیتی اور نسل کی بربادی میں لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو تکبر اور تعصب اسے

گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے، ایسے شخص کے لیے بس جہنم ہی ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے''۔ (البقرہ۔2:205-206)

درج بالا آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص جو خوف خدا رکھتا ہے وہ کسی ایسے چھوٹے سے چھوٹے کام کی طرف سے بھی آنکھیں بند کر لے جس سے بنی نوع انسان کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

ایمان لانے والوں کی ذمہ داری

ایسے لوگ جو اپنے اردگرد وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی اس وقت تک پرواہ نہیں کرتے جب تک وہ براہ راست ان سے خود بھی متاثر نہ ہو رہے ہوں وہ اس بصیرت سے محروم رہتے ہیں جو بے غرضی، اخوت، دوستی، دیانتداری اور وہ جذبۂ خدمت پیدا کرتی ہے جس کی تلقین مذہب کرتا ہے۔ زندگی بھر ایسے لوگ اپنی انا کو تسکین دیتے رہتے ہیں اور ان خطرات سے بے خبر رہتے ہیں جو انسانیت کو درپیش ہوتے ہیں۔ تاہم قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے اخلاق کی تعریف فرمائی ہے جو اپنے گرد ونواح کو بہتر بنانے کی سعی و جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ جو ان واقعات سے متاثر ہوتے ہیں، جو ان کے آس پاس وقوع پذیر ہوتے اور لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف بلاتے ہیں۔ قرآن کی ایک آیت میں ایسے لوگوں کے لیے ایک استعارہ استعمال کیا گیا ہے جو دوسروں کو کوئی نفع نہیں پہنچاتے اور وہ جو ہمیشہ اچھائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرماتا ہے، دو شخصوں کی، جن میں سے ایک تو گونگا ہے اور کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے، کہیں بھی اسے بھیجے وہ کوئی بھلائی نہیں لاتا، کیا یہ

اور وہ جو عدل کا حکم دیتا ہے اور ہے بھی سیدھی راہ پر، برابر ہو سکتے ہیں؟'' (النحل۔ 16:76)

جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ جو ''صراطِ مستقیم'' پر ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مذہب پر سختی سے کاربند ہیں؛ اللہ سے ڈرتے، روحانی اقدار کو پوری اہمیت دیتے اور خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں۔ بیشک یہ وہ لوگ ہیں جو بنی نوع انسان کی خدمت کرتے ہیں اور اسے بڑے فوائد پہنچاتے ہیں۔ اسی لیے لوگوں کو اپنے مذہب کے بارے میں علم رکھنا چاہیے اور قرآن میں جس اخلاقیات کا ذکر ہے اس پر عمل کرنا چاہیے جو اللہ کی نازل کردہ آخری آسمانی کتاب ہے۔ جو انسان اس عظیم اخلاقیات کو اپنی زندگیوں میں اوڑھنا بچھونا بنالیتے ہیں ان کا ذکر اللہ نے یوں فرمایا ہے:

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور بُرے کاموں سے منع کریں۔ تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے''۔ (الحج۔ 22:41)

وہ شخص جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا وہ ہر قسم کے غلط کام آسانی سے کرسکتا ہے اس لیے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسے کسی کے سامنے جواب نہیں دینا۔

دُنیا کو موجودہ دہشت گردی سے نجات دلانے کے لیے سب سے پہلا کام یہ کیا جانا چاہیے کہ اُن غیر مذہبی اعتقادات کو ختم کرنے کے لیے تعلیم عام کی جائے جو مذہب کے نام پر انسانوں کی زندگیوں میں داخل ہو گئے ہیں اس میں سب سے ضروری یہ ہے کہ لوگوں کو قرآنی اخلاقیات سے روشناس کرایا جائے اور ان میں خوفِ خدا پیدا کیا جائے۔

اللہ ہمیں اچھے کام کرنے کا حکم دیتا ہے

مسلمان وہ ہیں جو اللہ کے احکامات بجا لاتے ہیں اور پوری راستبازی سے قرآنی اخلاقیات امن وسلامتی اور محبت کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس سے یہ دنیا ایک زیادہ خوبصورت جگہ بن جاتی ہے اور اس میں دن بدن اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا مقصد زندگی یہ بن جاتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کو حسن و خوبصورتی اور اچھائی و نیکی کی جانب لے کر چلا جائے۔

وہ جو شہریوں بالخصوص بچوں کی زندگیوں کو خطرے میں ڈالتے ہیں، انہیں اپنے آپ سے یہ سوال ضرور کرنا چاہیے: ان بچوں سے کیا جرم سرزد ہوا ہے؟ کیا اس ظلم و تشدد کا حساب کتاب خداوند تعالیٰ کے حضور نہیں دینا ہوگا جو اِن معصوم انسانوں پر ڈھائے گئے؟

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''.....اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تُو بھی اچھا سلوک کر اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔ یقین مان کہ اللہ مُفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے۔'' (القصص۔ 28:77)

جو اسلام قبول کر لیتا ہے اس کی پھر یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی خوشنودی اور رحم و کرم حاصل کرے تاکہ جنت میں داخل ہو سکے۔ اس کے لیے اُسے مسلسل جدوجہد کرنی پڑتی ہے تاکہ وُہ جب تک اس دنیا میں ہے ایسے اخلاق کا مظاہرہ کرے جو اللہ کو پسند ہو۔ اخلاق کے ان مظاہر میں رحملی، عدل، دیانتداری، عفوودرگزر، انکساری، ایثار اور صبروتحمل شامل ہیں۔ ایمان لانے کے بعد انسان دوسرے انسانوں سے حسنِ سلوک سے پیش آتا ہے، نیک عمل کرتا ہے اور اچھائی و نیکی پھیلاتا ہے۔ درج ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں:

''ہم نے آسمانوں اور زمین کواور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو حق کے ساتھ ہی پیدا فرمایا ہے اورقیامت ضرور ضرور آنے والی ہے۔ پس تو حسن وخوبی (اوراچھائی) سے درگزر کرلے'' (الحجر۔ (15:85

''ہم نے آسمانوں اور زمین کواور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو حق کے ساتھ ہی پیدا فرمایا ہے اورقیامت ضرور ضرور آنے والی ہے۔ پس تو حسن وخوبی (اور اچھائی) سے درگزر کرے''۔(الحجر۔ (15:85

''اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک و احسان کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھ سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں، (غلام کنیز) یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا''۔ (النساء۔4:36)۔

''......نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو۔ اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے''۔ (المائدہ۔ 5:2)

اسلام جس اخلاقی تعلیم پر زیادہ زور دیتا ہے اس میں زیادہ اہم محبت، رحمدلی، باہمی مدد، قربانی و ایثار سے کام لینا، رواداری اور عفوو درگزر ہے۔ وہ معاشرہ جس میں یہ اخلاقیات موجود ہو اس میں یہ ممکن ہی نہیں کہ ظلم و زیادتی اور تصادم جگہ بنا سکے۔

جیسا کہ ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ مومنوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں سے حسن سلوک سے پیش آئیں۔ ایک دوسرے کی امداد کریں اچھے کاموں میں اور فتنہ و فساد سے دور رہیں۔ سورۃ الانعام کی آیت 160 میں اللہ وعدہ فرماتا ہے کہ:

''جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس گُنا ملیں گے اور جو شخص بُرا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا''۔(6:160)

اللہ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ ''وہ لوگوں کے دلوں کے بھید جانتا ہے۔'' اور چاہتا ہے کہ لوگ ہرقسم کی برائیوں سے دور رہیں۔ اس لیے ایک مسلمان ''جو اللہ کے سامنے سرتسلیم خم کر دیتا ہے'' وہی ہونا چاہیے جو دہشت گردی کے خلاف لڑنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

ایک مسلمان اپنے اردگرد ہونے والے واقعات سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ وہ یہ ذہنیت نہیں رکھتا کہ چونکہ وہ خود محفوظ ہے اس لیے اسے دوسروں کی کیا فکر۔ اس لیے کہ اس نے سرتسلیم خم کردیا ہے۔ وہ اللہ کا نائب ہے اور اچھائی کا سفیر ہے۔ وہ ظلم و زیادتی اوردہشت گردی کے وقت آنکھیں چرا ہی نہیں سکتا۔ دراصل مسلمان دہشت گردی کا سب سے بڑا دشمن ہوتا ہے۔ جس میں ایسے معصوم انسان لقمہ اجل بن جاتے ہیں جنھوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہوتا۔ اسلام ہرطرح کی دہشت گردی کے خلاف ہے اور اسے آغاز ہی میں کچل ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ انسانوں کے درمیان امن و سلامتی چاہتا ہے اور عدل کو عام کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو تصادم اور فساد سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

اللہ ہمیں عدل کا حکم دیتا ہے

جس حقیقی عدل و انصاف کا ذکر قرآن میں ہے وہ انسان کو عدل کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے۔ اسے تاکید کرتا ہے کہ انسانوں کے درمیان کوئی تفریق اور امتیاز نہ کرے، لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرے، ہر حال میں ظلم و زیادتی کو روکے۔ ظالم کے خلاف مظلوم کا ساتھ دے اور ضرورت مند کی امداد کرے۔ کسی جھگڑے میں فیصلہ دینے لگے تو دونوں فریقوں کے حقوق کا خیال رکھے۔ تمام تعصبات سے بالاتر ہو کر دیانتداری، بُردباری اور رحمدلی کے ساتھ کسی فیصلے پر پہنچے۔ اسے محتاط رہنا چاہیے کہ کہیں وہ جذبات کی رو میں بہہ کر غلط فیصلہ نہ کر بیٹھے۔ وہ شخص جو عدل و انصاف کا دامن تھامے رکھتا ہے وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھتا ہے اور ذاتی رائے کو ایک طرف رکھ کر فیصلے کرتا ہے۔

اسے چاہیے کہ تمام فریقوں کے ساتھ عدل سے پیش آئے اور ہر حال میں حق کا ساتھ دے۔ اسے سچائی اور دیانتداری کا راستہ کبھی نہ چھوڑنا چاہیے۔ اس شخص کو قرآن کی روشنی میں فیصلے کرنے چاہئیں۔ اپنے ذاتی مفاد پر دوسروں کے مفاد کو ترجیح دینی چاہیے اور عدل سے کام لینا چاہیے خواہ اس میں اس کے اپنے مفادات پر ضرب ہی کیوں نہ لگتی ہو۔ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 42 میں اللہ حکم دیتا ہے:

"......اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو......"

سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو حکم دیتا ہے کہ عدل و انصاف سے کام لیں خواہ یہ آپ کے اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو:

"اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے

اور خوشنودیٔ مولا کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے، وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے۔ اس لیے تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے"۔(النساء۔ 4:135)

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور ایمان والوں کو بتایا ہے کہ انہیں زندگی میں جو واقعات پیش آئیں ان کا مقابلہ کیسے کرنا ہے اور عدل و انصاف سے کیسے کام لینا ہے۔ اسی لیے وہ لوگ جو ایمان لے آتے ہیں وہ عدل سے کام لے کر اللہ کی خوشنودی بھی حاصل کرتے ہیں اور اپنی زندگی بھی امن و سلامتی اور تحفظ میں بسر کرتے ہیں۔

جس عدل و انصاف کا قرآن میں اللہ نے حکم دیا ہے وہ عدل ہر ایک کے ساتھ مساوی طور پر کیا جاتا ہے۔ جس میں زبان، نسل یا فرقے کا کوئی امتیاز نہیں رکھا جاتا۔ قرآنی مفہوم کے مطابق عدل و انصاف جغرافیائی مقام، وقت، زمانہ اور لوگوں کی نسبت سے نہیں بدلتا۔ ہمارے زمانے میں بھی ایسے لوگ ہیں جن کے ساتھ ان کی رنگت یا نسل کی وجہ سے ظالمانہ اور ناانصافی پر مبنی سلوک کیا جاتا ہے۔

تاہم خداوند تعالیٰ قرآن میں ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ مختلف قبیلے اور قومیں پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ "انہیں ایک دوسرے کی پہچان ہو"۔ مختلف قومیں یا لوگ جو سب کے سب اللہ کے غلام ہیں، انہیں ایک دوسرے کو جاننا چاہیے یعنی ایک دوسرے کی تہذیب، زبانوں، روایات اور صلاحیتوں سے شناسا ہونا چاہیے۔ المختصر یہ کہ مختلف نسلوں اور قوموں کی تخلیق کا مقصد تصادم اور جنگ نہیں ہوتا بلکہ ثقافتی ثروت ہوتی ہے۔

یہ تغیر اللہ کی مخلوق کے لیے ایک کرم ہے۔ یہ حقیقت کہ ایک شخص دوسرے سے قد میں لمبا ہے یا یہ کہ اس کی جلد پیلی ہے یا سفید، کسی ایک کو دوسرے سے افضل و برتر نہیں بناتے نہ ہی یہ شرمندہ ہونے کی بات ہے۔ ہر خاصیت جو کسی انسان کو عطا کی جاتی ہے۔ اس میں خالق کا کوئی مقصد ہوتا ہے لیکن تغیر یا تنوع میں اللہ نے کوئی حتمی اہمیت نہیں رکھی۔ ایمان والے جانتے ہیں کہ فضیلت و برتری خوفِ خدا رکھنے اور اللہ پر لائے گئے ایمان کی مضبوطی ہے۔ اس حقیقت کو درج ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے:

> ''اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیے گئے ہیں۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے۔'' (الحجرات۔ 49:13)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگاہ فرمایا ہے کہ وہ عدل و انصاف جس کو سمجھنے کی تلقین کی گئی ہے ہر ایک کے ساتھ مساوات، رواداری کا اور امن وسلامتی کا سلوک کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور ان کے درمیان کسی طرح کا امتیاز روا رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

کسی بھی طبقے یا گروہ کے خلاف محسوس کی جانے والی نفرت ایمان والوں کو عدل و انصاف کرنے سے نہیں روکتی

نفرت اور غصہ برائی کے بڑے سرچشمے ہیں۔ یہ لوگوں کو انصاف پر مبنی فیصلے کرنے سے روک سکتے ہیں۔ صحیح سوچ سے محروم کردیتے اور عقل وشعور سے کام لینے میں خلل ڈال دیتے ہیں۔ لوگ جن افراد سے دشمنی رکھتے ہیں ان کے ساتھ ہر طرح

کی ناانصافی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ یہ ان افراد پر ایسے جرائم کا الزام لگا سکتے ہیں جو انہوں نے کبھی نہ کیے ہوں، یہ ان کو معصوم جانتے ہوئے بھی ان کے خلاف جھوٹے گواہ کھڑے کردیتے ہیں۔ اس قسم کی دشمنی کی وجہ سے لوگ ناقابل برداشت ظلم و زیادتی کرنے لگتے ہیں۔ کچھ لوگ ان افراد کے لیے گواہی نہیں دیتے جن سے ان کو اختلاف ہو۔ حالانکہ یہ جانتے ہوتے ہیں کہ وہ افراد معصوم ہیں۔ یہ ایسی شہادت پیش کرتے ہیں جس سے ان افراد کی معصومیت چھپ جاتی ہے۔ یہ افراد جس عذاب سے گزرتے ہیں اس پر یہ لوگ خوش ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہونے والی ناانصافی یا مصیبت پر بغلیں بجاتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی فکر یہ ہوتی ہے کہ عدل و انصاف سے کام لیا جائے اور ان افراد کی معصومیت ثابت ہو جائے۔

اسی لیے جن معاشروں میں بدعنوانی عام ہو جاتی ہے ان میں لوگ ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں کرتے۔ لوگوں کو یہ ڈر رہتا ہے کہ وہ کسی بھی وقت کسی کے ظلم کا شکار بھی ہوسکتے ہیں۔ ان کے درمیان سے باہمی اعتماد رخصت ہو جاتا ہے، یہ انسانی جذبات کھو بیٹھتے ہیں جن میں رواداری، رحمدلی، بھائی چارہ اور تعاون شامل ہیں۔ یوں یہ ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

تاہم وہ جذبات جو کسی انسان کے دل میں کسی دوسرے انسان کے لیے ہوں انہیں کسی ایمان والے کے فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیے۔ خواہ وہ شخص جتنا بھی بداخلاق اور دشمن کیوں نہ ہو۔ ایک مومن یا ایمان والا ایسے جذبات اور کاموں کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور اپنے فیصلے عدل و انصاف کے ساتھ کرتا ہے اور عدل و انصاف ہی کی سفارش کرتا ہے۔ اس شخص کے لیے دل میں موجود جذبات اس کی دانائی اور ضمیر پر اثرانداز نہیں ہوتے۔ اس کا ضمیر ہمیشہ اسے اللہ کے احکامات اور ہدایات پر عمل کرنے پر اکساتا ہے۔ وہ اچھے طور طریقے کبھی ترک نہیں کرتا کیونکہ یہ وہ حکم ہے جو اللہ نے قرآن میں دیا ہے۔ سورۃ المائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

''اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلافِ عدل پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔'' (المائدہ۔ 5:8)

''اور اگر آپ کا ربّ چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے۔ تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہو جائیں''۔ (یونس۔ 10:99)

جیسا کہ آیت میں مذکور ہے عادلانہ اور منصفانہ روّیہ وہی لوگ رکھتے ہیں جن کے دلوں میں خوف خدا پایا جاتا ہے۔ ایک مومن یہ جانتا ہے کہ اسے اللہ کی خوشنودی صرف اسی وقت حاصل ہوگی جب وہ عدل و انصاف سے کام لے گا۔ ہر شخص جو ایسے انسان کے اچھے طور طریقے دیکھے گا وہ اس پر اعتماد کرے گا، اس کی موجودگی میں سکون محسوس کرے گا اور اسے ہر ذمہ داری سونپنے میں بھروسہ کرے گا۔ ایسے انسانوں کی دشمن بھی عزت کرتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر لوگ ایمان لے آتے ہیں۔

❖......❖......❖

اسلام آزادئ فکر کا دفاع کرتا ہے

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو آزادی خیال، فکر اور زندگی دیتا ہے۔ اس نے ایسے احکامات جاری کیے ہیں جو ذہنی دباؤ، جھگڑوں اور منفی سوچ سے بچاتے ہیں۔ یہ دہشت گردی ہر قسم کے ظلم کے بالکل برعکس ہے۔ یہ تو ان پر معمولی سا نظریاتی دباؤ بھی نہیں ڈالتا۔

''......دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے روشن ہوچکی ہے......'' (البقرہ۔2:256)

''پس آپ نصیحت کر دیا کریں (کیونکہ) آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ کچھ ان پر داروغہ نہیں ہیں''۔ (الغاشیہ۔ 22-21 :88)

لوگوں کو اس بات پر مجبور کرنا کہ مذہب میں داخل ہو جائیں یا اس کے عقائد اپنا لیں اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ اسلام کے مطابق حقیقی ایمان وعقیدہ صرف آزاد مرضی اور ضمیر کی آزادی سے ممکن ہوتا ہے۔

کسی دوسرے انسان کا مذہب اور عقیدہ کچھ بھی ہو، وہ یہودی ہو، عیسائی، بدھسٹ ہندو یا مسلمان، ان سب کو قرآن میں روادار، معاف کرنے والے اور عدل وانصاف سے کام لینے والے اور دوسرے کے ساتھ مہربانی، رحمدلی اور نرم دلی سے پیش آنے والے بتایا گیا ہے۔

بیشک مسلمان قرآنی اخلاقیات کے بارے میں ایک دوسرے کو مشورہ دے سکتے ہیں اور حوصلہ افزائی کر سکتے ہیں۔ تمام مومنین کا فرض بنتا ہے کہ وہ قرآنی اخلاقیات کا مفہوم نہایت عمدگی کے ساتھ بیان کیا کریں۔ وہ قرآن کی اس آیت کی روشنی میں مذہب کی خوبصورتیوں کے بارے میں بتائیں گے:

''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے.....'' (النحل۔15:125)

تاہم ان کو یہ آیت بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے:

''انہیں ہدایت پر لا کھڑا کرنا تیرے ذمے نہیں بلکہ ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے جسے چاہتا ہے''..... (البقرہ۔2:272)

اُن پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا نہ ہی ان پر کوئی جسمانی یا نفسیاتی دباؤ ہوگا۔ نہ ہی وہ کوئی دنیاوی فائدہ یا لالچ دلا کر کسی کو مذہب قبول کرنے پر اکسائیں گے۔ جو وہ کہتے ہیں اس کے جواب میں جب انہیں نفی میں جواب ملتا ہے تو مسلمان قرآن پاک کے یہ الفاظ دہرا دیتے ہیں:

''تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔'' (109:6)

جس دنیا میں ہم رہتے ہیں اس میں بہت سے معاشرے ہوتے ہیں جن میں

کئی مذاہب و عقائد کے ماننے والے رہتے ہیں: عیسائی، یہودی، بدھسٹ، ہندو، ملحد، موحد (خدا پرست) اور لامذہب بھی۔ ایسی دنیا میں رہتے ہوئے مسلمانوں کو چاہیے کہ ان عقائد کے حامل انسانوں کو برداشت کریں جو ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ درگزر سے کام لیں، عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑیں اور نرمی سے پیش آئیں۔ مومنین پر یہ ذمہ داری اس لیے ڈالی گئی ہے تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کے دین کی خوبصورتی کی طرف آنے کی دعوت دے سکیں اور ایسا کرتے وقت امن وسلامتی اور رواداری سے کام لیں۔ دوسرا فریق ان سچائیوں کو قبول کرنے نہ کرنے کا جو فیصلہ کرے گا یہ اس کی مرضی پر منحصر ہوگا۔

کسی شخص کو ایمان لانے پر مجبور کرنا یا اس پر کوئی چیز مسلط کرنا قرآنی اخلاقیات کے اصولوں کے خلاف ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ایمان والوں کو یاددہانی کراتا ہے:

''اور اگر آپ کا ربّ چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے ۔ تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہو جائیں۔'' (یُونس۔10:99)

''یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں تو آپ قرآن کے ذریعے انہیں سمجھاتے رہیں جو میرے وعید (ڈراوے کے وعدوں) سے ڈرتے ہیں''۔(الذریٰت ۔51:45)

کسی معاشرے کا ایک ایسا نمونہ (ماڈل) جس میں لوگوں کو پرستش کے لیے مجبور کیا جاتا ہے وہ سراسر اسلام کے خلاف ہے۔عقیدہ و پرستش اس وقت تک ہی کسی قدر و قیمت کے حامل ہوتے ہیں جب کوئی فرد پوری آزادی کے ساتھ دونوں

کوصرف اورصرف خدا کے لیے اختیار کرتا ہے۔

اگر کوئی نظام کسی عقیدے یا پرستش کو لوگوں پر زبردستی نافذ کرتا ہے پھر تو وہ اس نظام کے ڈر اور خوف سے مذہبی بن رہے ہوں گے۔ مذہبی نقطۂ نظر سے اس مذہب میں جو چیز زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ مذہب صرف خدا کی خوشنودی کے لیے اختیار کیا جائے اور ایسا اس ماحول میں ہو جس میں لوگوں کے ضمیر مکمل طور پر آزاد ہوں۔

اسلامی تاریخ ان مسلم حکمرانوں کی رواداری سے بھری ہوئی ہے جو تمام مذاہب کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے انہوں نے مذہبی آزادی کی تعمیر کی تھی۔ مثال کے طور پر تھامس آرنلڈ نے جو ایک برطانوی مشنری اور انڈین حکومت میں ملازم تھا لکھتا ہے کہ اسلام آزادی کی طرف ان الفاظ میں رہنمائی کرتا ہے۔

1492ء میں جن یہودیوں نے مذہب تبدیل کرنے سے انکار کر دیا تھا انہیں اسپین کے بادشاہ فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا نے جلا وطن کر دیا تھا۔ ان یہودیوں کو سلطنت عثمانیہ نے پناہ دے رکھی تھی کیونکہ یہ سلطنت اسلامی عدل و انصاف اور رواداری کے لحاظ سے جنت تھی۔

''کسی بھی ایسی کوشش کے بارے میں جس میں زبردستی غیر مسلم رعایا کو اسلام قبول کروانے کی کوئی منظم کوشش کی گئی ہو یا کوئی ایسی کوشش جس میں عیسائیوں پر کوئی زبردستی کی گئی ہو، ہم نے کبھی نہیں سنا۔ اگر خلفاء نے اس قسم کی کوئی کارروائی کی ہوتی تو انہوں نے فرڈی نینڈ اور ازابیلا کی طرح جنہوں نے اسپین سے اسلام کو مٹا دیا تھا آسانی کے ساتھ عیسائیت کا نام ونشان تک مٹا دیا ہوتا یا جس طرح یہودیوں کو 350 برس تک برطانیہ سے باہر رکھا گیا تھا۔ ایشیاء کے مشرقی گرجاؤں کا بقیہ عیسائیت سے رابطہ مکمل طور پر منقطع ہو چکا تھا اور اس پر کسی کو بھی ان کے حق میں

انگلی اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی تھی۔ ان گرجاؤں کا آج تک موجود رہنا اس بات کی مضبوط دلیل ہے کہ اسلامی حکومتوں کا ان سے رویہ بہت اچھا تھا۔

خُدا معصوم انسانوں کے قتل سے منع فرماتا ہے

کسی انسان کو بلاوجہ قتل کرنا قرآن میں عظیم گناہوں میں سے ایک گناہ بتایا گیا ہے:

> ''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی ایک کی جان بچا لے، اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا اور ان کے پاس ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ زمین میں ظلم و زیادتی کرنے والے ہی رہے۔'' (المائدہ۔ 5:32)

> ''جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہو وہ بجز حق کے قتل نہیں کرتے، نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اپنے اوپر سخت وبال لائے گا۔'' (الفرقان۔ 25:68)

جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے کہ وہ شخص جو کسی معصوم کو بلاوجہ قتل کر دیتا ہے اس کے لیے اللہ کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ خداوندِ تعالیٰ ہمیں یاددلاتے ہیں کہ کسی ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے۔ جو انسان اللہ کی قائم کردہ حدود کی پابندی کرتا ہے وہ کسی انسان واحد کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کجا

ہزاروں معصوم انسانوں کو قتل کرنا۔ وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ عدل و انصاف سے کام نہیں لیں گے انہیں یہ کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ ان کو اللہ کے حضور اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔

اسی لیے وہ مومنین جو یہ جانتے ہیں کہ انہیں مرنے کے بعد اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا، وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کا بہت خیال رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مؤمنین کو ہمدرد اور رحمدل ہونے کا حکم دیتا ہے

اسلامی اخلاقیات کا ذکر ایک قرآنی آیت میں یوں آیا ہے:

''پھر ان لوگوں میں سے ہو جاتا جو ایمان لاتے اور ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے۔ یہی لوگ ہیں دائیں بازو والے (خوش بختی والے) (البلد۔90:17-18)

جیسا کہ ہم نے اس آیت میں دیکھا کہ اخلاقیات میں شامل ایک اہم بات جو مومنین کو یوم حشر نجات دلائے گی اور جنت میں داخل کر دے گی یہ ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے کو رحم اور صبر کی تلقین کرتے تھے۔

اسلامی اخلاقیات ایک ایسی زندگی کا تصور پیش کرتی ہے جس میں تمام انسانوں کے لیے امن وسلامتی، خیر خواہی، محبت اور خوشی ومسرت چاہی جائے۔

ہمدردی و رحمدلی کا حقیقی منبع اللہ کی محبت ہے۔ کسی بھی انسان کی اپنے اللہ کے لیے محبت اس کے دل میں ان دوسرے انسانوں کے لیے محبت پیدا کر دیتی ہے جن کو

اس نے تخلیق کیا ہوتا ہے۔ جو کوئی بھی اللہ سے محبت کرتا ہے اس کا دنیا کی دوسری چیزوں سے بھی براہ راست تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ان چیزوں کے قریب ہو جاتا ہے جنہیں اللہ نے تخلیق کیا ہوتا ہے۔ یہ محبت اور قربت وہ اپنے خالق و مالک کے لیے محسوس کرتا ہے جس نے اسے اور تمام بنی نوع انسان کو تخلیق کیا ہوتا ہے، یوں وہ اس اخلاق حسنہ کا مالک بن جاتا ہے جس کا ذکر قرآن کی اِن آیات میں آیا ہے:

''تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں کو فی سبیل اللہ دینے سے قسم نہ کھا لینی چاہیے، بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر لینا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرما دے؟ اللہ قصوروں کو معاف فرمانے والے مہربان ہے۔'' (النور۔ 24:22)

''اور ان کے لیے جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینے میں) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنا لی ہے اور اپنی طرف، ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بُخل سے بچایا گیا وہی کامیاب (اور بامُراد) ہے۔'' (الحشر۔59:9)

دہشت گردی ہر معاشرے کے لیے ظلم و زیادتی، خوف، اضطراب اور انتشار کا راج چاہتی ہے۔

''......اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد پہنچائی۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی''۔ (الانفال۔ 8:74)

''......اور ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرو اور رشتہ داروں سے اور

یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں (غلام کنیز) یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا''۔ (النساء۔4:36)

''صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جن کے دل پرچائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور راہرو مسافروں کے لیے فرض ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ حکمت والا ہے''۔ (التوبہ۔9:60)

اس اخلاق حسنہ کا مطالبہ ان مومنین سے کیا جاتا ہے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور یہ اللہ کی گہری محبت سے پھوٹتا ہے۔ یہ لوگ خوش قسمت ہیں جو قرآن میں دیئے گئے اصول اخلاقیات کو اپنا لیتے ہیں۔ مومنین جب کسی سے رحمدلی اور ہمدردی سے پیش آتے ہیں یا کسی کی مدد کرتے ہیں تو ''شکریہ'' سننے کی توقع بھی نہیں رکھتے۔ ان کا مقصد تو صرف یہ ہوتا ہے کہ جس اخلاقیات کا وہ مظاہرہ کرتے ہیں اس پر ان کا اللہ ان سے خوش ہو جائے، اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ ان سے حسن اخلاق کے بارے میں قیامت کے روز باز پرس ہوگی۔ اللہ نے یہ بات واضح کردی ہے کہ وہ لوگ جہنم میں جائیں گے جنہوں نے دنیا میں جان بوجھ کر قرآنی اصولِ اخلاقیات کے مطابق زندگی گزارنے سے انکار کردیا تھا:

''تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے''۔ (المدثر۔74:42-44)

''(حکم ہوگا) اسے پکڑ لو پھر اسے طوق پہنا دو۔ پھر اسے دوزخ میں ڈال دو۔ پھر اسے ایسی زنجیر میں جس کی پیائش ستر ہاتھ کی ہے جکڑ دو۔ بیشک یہ اللہ عظمت والے پر ایمان نہ رکھتا تھا اور مسکین کے کھلانے پر رغبت نہ دلاتا تھا''۔ (الحاقہ۔69:30-34)

''کیا تو نے (اسے بھی) دیکھا جو (روز) جزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔''
(الماعون۔107:1-3)

''اور مسکینوں کے کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے۔''
(الفجر۔89:18)

اسلامی معاشرہ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ یتیموں ضرورت مندوں اورمحتاجوں کے حقوق کی حفاظت کریں۔ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔

ہم نے ان آیات میں دیکھا کہ مسلمان دوسروں سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں اور رحمدلی کے جذبات رکھتے ہیں۔ کوئی بھی شخص جو اس قسم کے اخلاق حسنہ کا مالک ہوگا وہ دہشت گردی اور معصوم انسانوں پر ظلم وستم کرنے کے بُرے فعل کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ دہشت گردوں کا کردار تو قرآن میں مذکور اخلاقیات کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ ایک دہشت گرد تو بے رحم انسان ہوتا ہے جو دنیا کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور دوسروں کو قتل کرنا تباہ و برباد کرنا اور خون خرابہ کرنا چاہتا ہے۔

جس اخلاقیات کا قرآن میں ذکر آیا ہے اسے اپنانے والا انسان ہر شخص سے محبت سے پیش آتا ہے، جس کی اسلام اس سے توقع کرتا ہے۔ وہ ہر طرح کے خیالات کا احترام کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ صلح و رواداری سے پیش آ کر انتشار اور

باہمی نفرتوں کو ختم کرتا ہے ایسے معاشرے جن میں اس قسم کے لوگ بستے ہیں وہ معاشرے زیادہ مہذب ہوتے ہیں اور ان میں زندگی گزارنے والوں میں حسن اخلاق، یگانگت اور عدل وانصاف پایا جاتا ہے جو دور حاضر کی نہایت جدید قوموں میں دیکھا جاتا ہے۔

اللہ نے عفو و درگزر اور تحمل ورواداری کا حکم دیا ہے

قرآن کی اس آیت میں عفو و درگزر اور رواداری کے تصور کا اظہار یوں فرمایا گیا ہے۔

''آپ درگزر کو اختیار کریں.....'' (الاعراف۔ 7:199)

ہم جب تاریخ اسلام پر نظر دوڑاتے ہیں تو قرآن میں مذکور اخلاقیات کو جس طرح معاشرتی زندگی میں شامل کیا گیا ہے، اس کا واضح اظہار دکھائی دیتا ہے۔ اس کتاب کے بعد کے حصوں میں ہم اس موضوع پر اظہارِ خیال کریں گے کہ مسلمانوں نے وہ جہاں بھی گئے آزادی اور رواداری کا ماحول پیدا کیا۔ انہوں نے مختلف مذاہب، زبانوں، ثقافتوں کے لوگوں کو ایک چھت تلے امن وسلامتی اور محبت سے رہنا سکھایا اور ہم مذہبوں میں امن وسلامتی اور یگانگت پیدا کی۔ سلطنت عثمانیہ کے صدیوں قائم رہنے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نے وہ امن وسلامتی اور افہام وتفہیم کی فضا قائم کررکھی تھی جو اسلام اپنے ساتھ لایا تھا۔ مسلمان جو صدیوں سے اپنی رواداری اور محبت کرنے والی فطرت کے باعث مشہور تھے ان کے ہاں عدل و انصاف کا بھی بڑا چرچا تھا۔

وہ معاشرے جہاں اسلامی اخلاقیات کی پابندی کی جاتی ہے وہاں گرجا گھر، مساجد اور یہودیوں کی عبادت گاہیں ساتھ ساتھ محفوظ رہتی ہیں۔ اس تصویر میں تین

حرمت کی جگہوں کو دکھایا گیا ہے جو بے گھر لوگوں کے لیے ادارے چلا رہے ہیں۔ اس سے رواداری عدل وانصاف اور امن وسلامتی کے لیے کی جانے والی کوششوں کا اظہار ہوتا ہے جسے اسلامی اخلاقیات کی تعلیم کا نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔

اس معاشرے میں جہاں کئی تہذیبوں کے لوگ مل کر رہتے ہیں، ہر مذہب و نسل کے لوگوں کو اپنے اپنے مذہب اور تہذیبی روایات کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی حاصل تھی۔

سچ تو یہ ہے کہ حقیقی رواداری ہی دنیا میں امن وسلامتی لاسکتی ہے بشرطیکہ اسے قرآنی خطوط پر نافذ کیا جائے۔ اس کی طرف توجہ قرآن حکیم کی اس آیت میں دلائی گئی ہے:

''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ بُرائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست''۔ (حٰم السجدہ۔ 41:34)

قرآن کی آیات میں اللہ نے ہمیشہ عفو و درگزر کو ایک اعلیٰ صفت بیان فرمایا ہے اور ایک آیت میں اس نے یہ خوشخبری بھی سنا دی ہے کہ اس قسم کے رویے پر انعام سے بھی نوازا جائے گا:

''اور بُرائی کا بدلہ اسی جیسی بُرائی ہے اور جو معاف کر دے اور اصلاح کر لے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ (فی الواقع) اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔'' (الشوریٰ۔ 42:40)

ایک اور آیت میں وہ مومنین کے بارے میں یوں ارشاد فرماتا ہے:

''جو لوگ آسانی میں سختی کے موقعہ پر بھی اللہ کے راستے

میں خرچ کرتے ہیں۔ غصہ پینے والے اور لوگوں سے
درگزر کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان نیکوکاروں سے محبت
کرتا ہے۔ (آلِ عمران۔3:134)

اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو معاف کردینا جس نے کسی سے برائی بھی کی ہو ایک بہت اچھا عمل ہے۔ ایک آیت میں اس سلسلے میں یوں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا ہے:

''ہاں تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں پس تو انہیں معاف کرتا جا اور
درگزر کرتا رہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا
ہے''۔ (المائدہ۔5:13)

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس اخلاقیات پر اسلام زور دیتا ہے وہ دنیا میں امن و سلامتی یگانگت اور عدل و انصاف لاتی ہے۔ آج کل وہ بربریت جسے دہشت گردی کہا جاتا ہے اس نے دنیا بھر کو پریشان کر رکھا ہے۔ یہ دراصل لاعلم جاہل اور ایسے انتہا پرست لوگوں کا کام ہے جو قرآنی اخلاقیات سے بالکل بے بہرہ ہیں اور جن کا مذہب سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے جو لوگ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر اس قسم کی بربریت کا مظاہرہ کرتے ہیں ان کا علاج ایک ہی ہے کہ ان کو قرآنی اخلاقیات کی تعلیم دی جائے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام اور قرآنی اخلاقیات ہی بربریت اور دہشت گردی کا حل ہیں جو اس کے حامی اور مددگار ہرگز نہیں ہیں۔

''......اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا
ہے''۔ (البقرہ۔2:143)

❖......❖......❖

قرآن میں جنگ وجدل کا ذکر

قرآن کے مطابق جنگ ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔ یہ جب کبھی چھڑ جائے تو ایک خاص قسم کی انسانیت، نرمی اور اخلاقی اصولوں کی پابندی لازمی ہو جاتی ہے۔ یہ جب ناگزیر ہو جائے تو صرف اس صورت میں اسے قبول کر لینا چاہیے۔

قرآن کی ایک آیت میں ارشاد کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو جنگ و جدل کا آغاز کرتے ہیں وہ مومنین نہیں ہو سکتے اور یہ کہ اللہ جنگوں کو پسند نہیں فرماتا۔

''......وہ جب کبھی لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ اسے
بجھا دیتا ہے۔ یہ ملک بھر میں شر وفساد مچاتے پھرتے ہیں اور اللہ
تعالیٰ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا۔'' (المائدہ۔5:64)

کسی اختلاف کی صورت میں جنگ چھڑنے سے قبل مومنین کو اس وقت تک انتظار کرنا چاہیے جب تک کہ جنگ لازمی نہ ہو جائے۔

مومنین کو لڑائی کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب دوسرا فریق ان پر حملہ کر دیتا ہے اور جنگ کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہ جاتا۔

"اگر یہ رُک جائیں (تم بھی رُک جاؤ) زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے۔" (البقرہ۔ 2:192)

جب ہم پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جنگ صرف دفاعی مقاصد کے لیے لڑی جاتی تھی، وہ بھی جب ناگزیر ہو جاتی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن 23 برسوں میں نازل ہوا۔ ابتدائی 13 برس تک مسلمان مکہ میں ایک اقلیت کے طور پر بت پرستانہ معاشرے میں رہتے تھے۔ اس عرصے میں ان پر ظلم وستم کی انتہا کر دی گئی تھی۔ بہت سے مسلمانوں کو تنگ کیا گیا، انہیں گالیاں دی گئیں، ان کو اذیت دی گئی، کچھ کو شہید کیا گیا اور ان کے گھروں اور مال و اسباب کو لوٹ لیا گیا تھا۔ اس کے باوجود مسلمان ظلم پر نہیں اترے اور کفار کو امن و سلامتی کا پیغام دیا۔

جب کفار نے ظلم و زیادتی کی انتہا کر دی تو مسلمان مکے سے یثرب ہجرت کر گئے تھے جو بعد ازاں مدینے کے نام سے مشہور ہوا یہاں یہ لوگ آزادی کے ساتھ دوستانہ ماحول میں اپنا نظام قائم کر سکتے تھے۔ اپنا نظام قائم کرنے کے لیے بھی انہوں نے ظالم کفارِ مکّہ کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائے تھے۔ البتہ درج ذیل آیات کے نزول کے بعد پیغمبر خدا نے مسلمانوں کو جنگ کے لیے تیار رہنے کا حکم فرمایا تھا۔

"جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کررہے تھے۔ انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ بیشک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے۔ یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا، صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔" (الحج۔ 22:39-40)

المختصر یہ کہ مسلمانوں کو جنگ لڑنے کی اجازت صرف اس صورت میں تھی جب ان پر ظلم ہو رہا تھا اور انہیں تنگ کیا جا رہا تھا۔ اسے ہم یوں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ انہیں صرف دفاعی جنگ لڑنے کی اجازت تھی۔ دوسری آیات میں مسلمانوں کو باخبر کیا گیا ہے کہ وہ غیر ضروری طور پر طیش میں نہ آئیں نہ کسی پر ظلم و زیادتی کریں:

"لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔" (البقرہ۔ 2:190)

ان آیات کے نزول کے بعد مسلمانوں اور عرب کفار کے درمیان کئی لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں سے کسی بھی لڑائی میں مسلمان لڑائی پر اکسانے والے فریق کی حیثیت میں نہ تھے۔ مزید یہ کہ پیغمبر خدا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور کفار کے لیے ایک محفوظ اور پُرامن معاشرتی ماحول پیدا کر دیا تھا۔ جس کے لیے صلح حدیبیہ نامی معاہدے پر دستخط ہوئے تھے جس میں کفار کی بہت سی باتیں مان لی گئی تھیں۔ مسلمانوں کی تعداد میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا اور یوں انہوں نے کفار عرب کے خلاف لڑنے کے لیے ایک مضبوط فوج تیار کر لی تھی۔ تاہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کا ایک قطرہ تک بہائے بغیر امن و رواداری کے ساتھ مکہ فتح کر لیا تھا۔ اگر آپؐ چاہتے تو اہل مکہ سے انتقام بھی لے سکتے تھے۔ مگر انہوں نے کسی دشمن کو کوئی سزا نہ دی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ اسلام پر ایک مغربی ماہر کی رائے کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے جس کا نام ہے جان اسپوزیٹو۔ وہ لکھتا ہے:

"پیغمبر خدا نے اپنے سابقہ دشمنوں کے خلاف تلوار اٹھانے کے

بجائے عام معافی کا اعلان فرما دیا تھا۔''

وہ کفار جو بعد میں اپنی مرضی سے اسلام لے آئے تھے پیغمبر خدا، صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی اس بلندی کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے تھے۔

نہ صرف فتح مکہ کے دوران بلکہ بعد کے غزوات میں بھی آنحضورؐ کے عہد رسالت میں معصوم اور بے یار و مددگار انسانوں کے حقوق کی پوری پوری حفاظت کی گئی تھی۔

پیغمبر خدا، صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین کو بارہا اس موضوع کے بارے میں یاددہانی کرائی تھی اور خود رول ماڈل بنکر دوسروں کے لیے عملی مثال پیش کی تا کہ وہ اس کو اپنا سکیں۔ وہ مومنین جو جنگ پر روانہ ہو رہے تھے انہیں مخاطب کر کے آپؐ نے فرمایا:

''جنگ میں اللہ کے دین کی پیروی کرنا۔ ضعیفوں، عورتوں اور بچوں پر ہاتھ نہ اٹھانا ان کی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کرنا اور ان سے مہربانی سے پیش آنا۔ اللہ ان انسانوں سے محبت کرتا ہے جو صادق اور مخلص ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے جنگ کے دوران بھی قائم رکھنے والے رویے کے بارے میں پیغمبر خدا، صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرما دی تھی:

> ''بچوں کو مت قتل کرنا۔ گرجا گھروں میں عبادت کرنے والوں پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ عورتوں اور بوڑھوں کو قتل مت کرنا۔ درختوں کو نہ جلانا اور نہ ہی انہیں کاٹ کر گرانا رہائشی گھروں کو تباہ و برباد کبھی نہ کرنا۔''

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ غیر مسلموں سے مہربانی او عدل و انصاف سے پیش آئیں:

> ''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور تمہیں دیس نکالے دیئے اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کی جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں وہ (قطعاً) ظالم ہیں۔'' (الممتحنہ۔60:8-9)

اوپر دی گئیں آیات اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے: ایک مسلمان کو چاہیے کہ غیر مسلموں سے مہربانی سے پیش آئے۔ صرف ان غیر مسلموں کو دوست نہ بنائے جو اسلام سے دشمنی رکھتے ہیں۔ جہاں اس دشمنی کے نتیجے میں مسلمانوں پر ظالمانہ حملے کیے جائیں، یعنی ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جائے۔

وہاں مسلمانوں کو بھی دفاعی جنگ لڑنے کی اجازت ہے لیکن اس موقعہ پر اسلامی اصولوں کی پابندی لازمی ہے۔ اسلام نے ہر قسم کی بربریت، ظلم و تشدد اور غیر عادلانہ زیادتی کو ممنوع قرار دیا ہے۔ ایک اور آیت میں اللہ نے اس بارے میں مسلمانوں کو باخبر کیا ہے اور تلقین فرمائی ہے کہ غم و غصے میں دشمنوں سے ناانصافی سے پیش نہ آئیں:

> ''اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کیا کرو جو پرہیزگاری

کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے''۔ (المائدہ۔ 5:8)

جہاد کا مطلب

ہمارے موضوع کے حوالے سے جہاد کے تصور پر بحث اور اس کی وضاحت ضروری ہے۔

جہاد کے معنی ہیں ''کوشش''..... چنانچہ اسلام میں جہاد سے مراد کوشش کرنا، جدوجہد کرنا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے بڑا جہاد اپنے نفس کے خلاف ہے''۔

قرآنی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو لفظ ''جہاد'' کا مطلب بھی عقل و دانش کی سطح پر ان لوگوں کے خلاف نبرد آزما ہونا ہے جو دوسروں پر ظلم کرتے۔ ان کے ساتھ ناانصافی کرتے، انہیں اذیتیں دیتے اور ان کے انسانی حقوق پامال کرتے ہیں۔ اس جدوجہد کا مقصد عدل، امن وسلامتی اور مساوات لانا ہے۔

ان نظریاتی اور روحانی معانی کے علاوہ جسمانی طور پر جدوجہد کرنے کو بھی ''جہاد'' ہی کہتے ہیں۔ تاہم یہ جدوجہد دفاعی مقاصد کے لیے ہونی چاہیے۔ جہاد کے تصور کو ان معنوں میں استعمال کرنا کہ معصوم انسانوں پر ظلم و تشدد کیا جائے غیر منصفانہ بات ہو گی اور اس سے مراد لفظ ''جہاد'' کے معانی کو مسخ کر کے پیش کرنا ہوگا۔

اپنے آپ کو مارنا (خودکشی کرنا) قرآن میں ممنوع ہے

ریاستہائے متحدہ امریکا میں کچھ عرصہ پہلے جو حملے ہوئے ان میں خودکش حملے

زیادہ تھے۔ چند ایسے لوگ جو اسلام سے ناواقف ہیں انہوں نے بالکل غلط بیانات دینے شروع کر دیئے ہیں کہ اسلام جو امن وسلامتی کا مذہب ہے، یہ خودکش حملوں کی اجازت دیتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں اپنے آپ کو جان سے مارنے اور دوسرے لوگوں کو قتل کرنے کی ممانعت ہے۔ قرآن کے اِن الفاظ میں اللہ نے خودکشی کو گناہ قرار دیا ہے:

''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو'' (النساء۔ 4:29)

اسلام میں کسی بھی مرد یا عورت کو یہ اجازت نہیں کہ وہ اپنے آپ کو مار ڈالیں خواہ اس کا سبب کچھ بھی ہو۔

پیغمبر خدا نے ایک تمثیل کے ذریعے بتایا کہ خودکشی حرام ہے اور فرمایا کہ جو لوگ خودکشی کرتے ہیں وہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی انہیں سزا ملے گی:

''بیشک جو دانستہ اپنے آپ کو مار ڈالتا ہے اسے جہنم میں ڈالا جائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا''

اس سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ خودکشی کرنا یا خود حملے کر کے ہزاروں معصوم انسانوں کو لقمۂ اجل بنانا اسلامی اخلاقیات کے اصولوں کی مکمل خلاف ورزی ہے۔

دہشت گردی میں بموں کے استعمال اور خودکش حملوں کا اصل مقصد خوف و ہراس، عدم تحفظ پھیلانا اور لوگوں میں افراتفری کا احساس پیدا کرنا ہے۔

ہزاروں معصوم انسانوں کو لقمہ اجل بنانا اسلامی اخلاقیات کے اصولوں کی مکمل خلاف ورزی ہے۔

''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان

ہے۔'' (النساء۔4:29)

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو مار ڈالنا گناہ ہے۔ اس لیے جو کوئی بھی اللہ پر ایمان لے آتا ہے اور قرآن پر عمل کرتا ہے اس کے لیے یہ کیسے ممکن رہ جاتا ہے کہ وہ اس قسم کے گناہ کرتا پھرے۔ صرف وہ لوگ اس قسم کے گھناؤنے جرم کرتے ہیں جو مذہب کو سمجھ ہی نہیں پاتے، جو قرآن کی اخلاقیات کے اصولوں سے ناواقف ہیں جو استدلال سے کام نہیں لیتے، جن کا ضمیر مردہ ہو چکا ہے جو ملحدانہ نظریات کے زیر اثر ہیں اور جن کے ذہنوں میں نفرت اور انتقام بھر دیا گیا ہے۔ ایسے کاموں کی ہر شخص کو مذمت کرنی چاہیے۔

اسلامی تاریخ میں رحمدلی، رواداری اور انسانیت کا ذکر

جن حقائق پر ہم نے اب تک بحث کی ہے اس کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کا سیاسی قانون (دوسرے لفظوں میں سیاسی امور کے بارے میں اسلامی قوانین و اصول) بہت معتدل اور امن پسند ہے۔ اس صداقت کو بہت سے غیر مسلم مؤرخین مذہبی سکالرز نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ان میں سے ایک برطانوی مؤرخ کیرن آرمسٹرانگ ہیں جو پہلے ایک راہبہ تھیں۔ یہ مشرق وسطیٰ کی تاریخ کی ماہر سمجھی جاتی ہیں۔ وہ اپنی کتاب ''مقدس جنگ (ہولی وار) میں تین مذاہب کی تاریخ کا جائزہ پیش کرتے وقت اپنی رائے کا اظہار یوں کرتی ہیں:

> ''......لفظ اسلام کا مادہ عربی میں وہی ہے جو سلامتی کا ہے۔ کیرن نے جنگ کی مذمت کی ہے اور بتایا ہے کہ خدا کو یہ ناپسند ہے۔ اسلام صرف اس جنگ کی اجازت دیتا ہے جو ناگزیر ہو جائے اور لوگوں کو ظلم و زیادتی سے بچانے کے لیے لڑی جائے۔''

قرآنی تعلیمات کے مطابق جنگ محدود ہونی چاہیے اور جب لڑی جائے تو جہاں تک ہو سکے جنگ کے ان اصولوں کو ضرور سامنے رکھا جائے جن میں ظلم و بربریت سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اہل مکہ سے نہیں لڑنا پڑا تھا بلکہ اس علاقے کے یہودیوں اور شام کے عیسائیوں کے خلاف بھی جنگ آزمائی کرنی پڑی تھی، انہوں نے یہودیوں کے ساتھ اتحاد کے بعد آپؐ کے خلاف جنگ کرنے کی منصوبہ بندی کر لی تھی۔ اس کے باوجود آنحضورؐ نے اہل کتاب کی مذمت نہیں کی۔ مسلمانوں کو دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور کر دیا گیا تھا لیکن وہ اپنے دشمن کے مذہب کے خلاف کوئی ''مقدس جنگ'' (ہولی وار) نہیں لڑ رہے تھے۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام زید کو فوج کا سپہ سالار بنا کر عیسائیوں کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا تو اسے تاکید فرمائی کہ وہ اللہ کی راہ میں بہادری کے ساتھ لیکن جنگ کے اسلامی اصولوں کو سامنے رکھ کر لڑیں۔ پادریوں، راہباؤں، کمزوروں اور ان بے یارومددگار لوگوں کو نقصان نہ پہنچائیں جو لڑنے کے قابل نہ ہوں۔ شہری آبادی کے عوام کو قتل نہ کریں، نہ کسی درخت کو کاٹ کر گرائیں نہ کسی عمارت کو مسمار کریں۔

پیغمبر خدا کے وصال کے بعد آپؐ کے جانشین خلفائے کرام نے بھی عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑا۔ مفتوحہ ممالک میں فاتح اور مفتوحہ دونوں امن وسکون اور تحفظ میں زندگی گزارتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے لوگوں سے عدل و انصاف سے کام لینے کی تاکید کی اور ان علاقوں کے عوام سے حسن سلوک سے پیش آنے کے لیے تلقین کی۔ یہ ساری باتیں قرآن میں بتائے گئے اصولوں کے عین مطابق تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شام کے لیے پہلی مہم پر بھیجی جانے والی فوج کو یہ حکم دیا تھا:

''لوگو! رُک جاؤ تاکہ میں تمہیں دس ایسے اصول بتا سکوں جن کو تم زبانی یاد کرلو: غداری مت کرنا نہ صراطِ مستقیم چھوڑنا۔ کسی بچے، بوڑھے یا عورت کو قتل نہ کرنا، لاشوں کو مسخ نہ کرنا، کھجور کے درخت کو مت کاٹنا، نہ اسے جلانا، نہ ہی کسی پھلدار درخت کو کاٹنا، بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں اور اونٹوں کو صرف اپنی خوراک بنانے کے لیے ذبح کرنا، عبادت گاہوں میں موجود لوگوں کو کچھ مت کہنا، کچھ لوگ تمہیں قسم قسم کے کھانے پیش کریں گے، تم کھا سکتے ہو مگر کھانے سے قبل اللہ کا نام لینا نہ بھولنا۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد دوسرے خلیفہ وقت حضرت عمرؓ تھے جو اپنے عدل و انصاف کے لیے مشہور تھے۔ آپ نے مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کے ساتھ معاہدے کیے۔ ان میں سے ہر معاہدہ رواداری اور عدل و انصاف کی بہترین مثال ثابت ہوا۔ مثال کے طور پر آپ نے جب لد (قدیم لدھ) اور یروشلم کے عیسائیوں کو تحفظ دیا تو حکم صادر فرمایا کہ گرجا گھروں کو مسمار نہ کرنے کی یقین دہانی کرا دی جائے۔ اس بات کی ضمانت بھی دی کہ مسلمان گروہ کی شکل میں گرجاؤں میں عبادت نہیں کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے بیت اللحم کے عیسائیوں کو بھی یہی ضمانت دی تھی۔ مدائن کی فتح کے دوران نسطوری سردار قبیلہ کو بھی یہ ضمانت دی گئی تھی کہ گرجاؤں کو منہدم نہیں کیا جائے گا۔ نہ کسی عمارت کو رہائشی گھر یا مسجد میں تبدیل کیا جائے گا۔ سردار قبیلہ نے فتح کے بعد جو خط فارس کے بشپ کو لکھا وہ قابل ذکر ہے کیونکہ اس میں اس امن وسلامتی، رواداری اور رحمدلی کا ذکر تھا جو مسلمان فرمانرواؤں نے اہل کتاب سے کیا تھا۔ ایک عیسائی کے الفاظ کچھ اس طرح کے تھے:

''وہ عرب جنہیں خدا نے آج دنیا کی حکومت سونپ دی ہے، عیسائی مذہب کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتے۔ یہ لوگ ہمارے پادریوں اور مذہبی سکالرز کی عزت کرتے ہیں اور گرجاؤں اور عبادت گاہوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔''

یہ ساری مثالیں بڑی اہم ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مومنین کس قدر رواداری اور عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں۔ ایک آیت میں خداوندِ تعالیٰ نے یوں حکم فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ! اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو! یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سنتا ہے، دیکھتا ہے''۔ (النساء۔4:58)

کلیسائے انگلستان کے مشنری رہنماؤں میں سے ایک کنین ٹیلر اس اسلامی اخلاقیات کی خوبصورتی کا اظہار اپنی ایک تقریر میں یوں کرتا ہے:

''اسلام کے بطور ایک مذہب کے کچھ بنیادی اصول ہیں۔ اللہ کی واحدانیت اور عظمت، کہ وہ رحیم و کریم ہے، وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اس میں انسان کی ذمہ داری کی نشان دہی کی گئی ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ اس نے مستقبل میں زندگی کیسے بسر کرنی ہے، ایک یوم حساب بھی ہے، اس روز بداعمال انسانوں کو ان کے گناہوں کی سزا ملے گی۔ اس مذہب میں عبادت، خیرات، روزہ اور سخاوت و فیاضی پر زور دیا گیا ہے۔ یہ مصنوعی نیکیوں فریب اور حماقتوں کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ یہ مسخ شدہ اخلاقی جذبات کو ایک طرف کر دیتا ہے۔

یہ مذہب کے نام پر شروع کیے گئے فساد کی بھی مخالفت کرتا ہے۔ یہ
وہ مذہب ہے جو غلام کو امید دلاتا ہے، بنی نوع انسان کو اخوت و
بھائی چارہ دیتا ہے اور انسانی فطرت کے بنیادی حقائق کو تسلیم کرتا
ہے۔

مغربی محققین نے اس بات کو بھی جھٹلا دیا۔ ہے کہ مفتوحہ علاقوں میں
لوگوں کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا، انہوں نے مسلمانوں کے
رواداری اور عدل و انصاف کے اصولوں کی بھی تصدیق کردی ہے۔ ایک مغربی محقق
ایل براؤن نے اس حوالے سے لکھا ہے:

''عیسائیوں کی تحریروں میں جو پروپیگنڈا مسلمانوں کے خلاف کیا
جاتا تھا کہ یہ جہاں بھی جاتے ہیں مفتوحہ علاقوں میں بزور شمشیر
لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور کرتے ہیں، اس کی بھی ان حقائق نے
تردید کردی ہے۔''

براؤن نے اپنی کتاب ''دی پراسپکٹس آف اسلام'' میں لکھا ہے کہ مسلمانوں
کی فتوحات کے پیچھے جو جذبہ کارفرما تھا وہ اسلام میں اخوت و بھائی چارے کے تصور
پر مبنی تھا۔ پوری تاریخ میں ان مسلم فرمانرواؤں کی اکثریت کے بارے میں اس بات
کا اعتراف کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ دوسرے مذاہب کے لوگوں سے
رواداری اور عزت و احترام کا سلوک کیا۔ تمام اسلامی ریاستوں کی حدود کے اندر
یہودی اور عیسائی دونوں امن و سکون کے ساتھ رہتے تھے اور انہیں پوری پوری
آزادی حاصل تھی جارج ٹاؤن یونیورسٹی کے پروفیسر جان ایل ایسپوزیٹو، شعبۂ
مذاہب و بین الاقوامی روابط بتاتے ہیں کہ وہ یہودی اور عیسائی جو اسلامی ریاستوں
میں بستے تھے۔ ان کے ساتھ رواداری سے پیش آیا جاتا تھا۔

مسلمان افواج بہترین فاتح اور اچھی حکمران ثابت ہوئی تھیں، یہ تخریب سے
زیادہ تعمیر پر توجہ دیتے تھے۔ وہ مفتوحہ ممالک کے مقامی حکمرانوں اور افواج کی جگہ
لے لیتے تھے لیکن ان کی حکومت بیوروکریسی اور کلچر کو برقرار رہنے دیتے تھے۔
مفتوحہ علاقوں میں بہت سے لوگوں کے لیے تو صرف آقاؤں کا تبادلہ ہوتا تھا۔ ایک
وہ تھے جو اُن پریشان حال لوگوں کو امن وسلامتی بخشتے تھے جو ٹیکسوں تلے دبے
ہوئے تھے اور یہ سلسلہ بازنطینی فارسی جنگوں کے زمانے سے چلا آرہا تھا۔ مقامی
لوگوں کو آزادی حاصل تھی کہ وہ اپنے نجی معاملات اپنے طرزِ زندگی کے مطابق
سرانجام دیتے رہیں۔ کئی لحاظ سے مقامی آبادیوں کے لیے مسلمان فرمانروا بازنطینی
اورفارسی حکمرانوں سے بہت بہتر تھے۔ انہیں مذہبی آزادی حاصل تھی۔ ان کے
مذہبی رہنماؤں کو اپنے اصولوں کی ترویج کی آزادی حاصل تھی۔ شادی بیاہ، طلاق،
وراثت کے قوانین میں کسی طرح کی سختی نہیں کی جاتی تھی۔ اس کے عوض انہیں جزیہ
دینا ہوتا تھا۔ جس کے بدلے میں مسلمان انہیں غیرملکی ظلم سے تحفظ فراہم کرتے
تھے۔ انہیں زبردستی فوج میں بھی بھرتی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ انہیں اسی لیے ذمّی کہا
جاتا تھا۔ ٹیکس کم تھے، مقامی سطح پر انہیں خود مختاری حاصل تھی۔ یہودیوں اور
عیسائیوں کے لیے پوری مذہبی آزادی تھی۔ اس صورت حال میں عیسائی آبادیوں
نے حملہ آور مسلمان افواج کی مدد بھی کی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ حملہ آور ان کے
پرانے آقاؤں سے بہتر ثابت ہوں گے۔

اسلام سے قبل قدیم عرب میں عورتوں سے اچھا سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ اب
انہیں وراثت کے اور دوسرے حقوق دے دیئے گئے تھے۔ ان کے خاوند یا آقا اب
ان عورتوں پر ظلم نہیں کرسکتے تھے۔ غرض انہیں اس سارے ظلم وستم سے نجات مل گئی
تھی۔ کفار عرب میں لڑکیوں کو زندہ گاڑھ دینے کا رواج تھا جسے اسلام نے ختم کیا۔

مگر جب اسلام کا اصل پیغام کسی معاشرے سے رُخصت ہو جاتا ہے تو وہاں غیر اسلامی رسم و رواج پھر سے کئی خرابیوں کو جنم دے دیتی ہیں۔

سلجوق ترکوں اور سلطنتِ عثمانیہ کے عہد میں بھی اسلام کا عادلانہ اور رواداری کا نظام قائم تھا۔ ایک برطانوی محقق سرتھامس آرنلڈ نے اپنی کتاب ''دی سپریڈ آف اسلام اِن دی ورلڈ'' (دنیا میں اشاعتِ اسلام) میں ان عیسائیوں کا ذکر کیا ہے جو مسلمانوں کے حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر سلجوقیوں کے اقتدار کے ماتحت رہنے پر رضامند ہو گئے تھے۔ وہ لکھتا ہے:

> ''مسلمان حکمرانوں کی سلطنت میں جو مذہبی احساس آزادی و تحفظ تھا اسی نے ایشیائے کوچک کے بہت سے عیسائیوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سلجوق ترکوں کی آمد کو خوش آمدید کہتے ہوئے انہیں اپنا نجات دہندہ تصور کریں۔ مائیکل ہشتم (82-1261) کے دورِ حکومت میں ایشیائے کوچک کے اندرون میں واقع کئی شہروں کے لوگوں نے ترکوں کو دعوت دی کہ وہ آ کر ان شہروں پر قبضہ کر لیں تاکہ انہیں حکومت وقت کے مظالم سے نجات مل جائے۔ اس کے علاوہ امیر و غریب دونوں ترک سلطنتوں میں ہجرت کر کے آ جاتے تھے۔

مالک شاہ اسلامی سلجوق سلطنت کا فرمانروا تھا۔ اس کے سنہری دورِ حکومت میں مفتوحہ علاقوں میں لوگوں کے ساتھ انتہائی رواداری اور رحمدلی کا سلوک کیا جاتا تھا۔ اسی لیے یہ لوگ بھی ان دنوں کو یاد کیا کرتے تھے۔ تمام مؤرخین نے مالک شاہ کے عدل و انصاف اور رواداری کا ذکر غیر جانبداری کے ساتھ اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ اس کی رواداری نے اہل کتاب کے دلوں میں بھی اس کے لیے محبت

کے جذبات پیدا کر دیئے تھے۔ تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ بہت سے شہر اپنی مرضی سے مالک شاہ کی سلطنت میں شامل ہو گئے تھے۔ سرتھامس آرنلڈ نے سینٹ ڈینس کے اوڈو ڈی ڈیوگیلو کا ذکر کیا ہے جو دوسری صلیبی جنگ میں لوئس ہفتم کے پرائیویٹ پادری کے طور پر شریک ہوا تھا۔ اس نے اپنی یادداشتوں میں اس عدل و انصاف کا ذکر کیا ہے جو بلاامتیاز مذہب و ملت مسلمان فرمانروا اپنی رعایا سے روا رکھتے تھے۔

جنگ میں جو لوگ بچ گئے تھے ان کی حالت خراب تھی کہ مسلمانوں کے دلوں میں ان کے لیے ہمدردی اور رواداری کا جذبہ پیدا ہوا۔ بیماروں کا علاج کرایا گیا غریبوں کی مدد کی گئی اور بھوکے اور فاقوں مرتے لوگوں کی روٹی کا انتظام کیا گیا تھا۔ یونانیوں نے حاجیوں سے زبردستی یا چالاکی سے فرانسیسی کرنسی لے لی تھی، یہ کرنسی ضرورت مندوں میں بڑی فراخ دلی سے تقسیم کر دی گئی تھی۔ عیسائیوں کے ساتھ ان کے اپنے ہم مذہب لوگوں نے اور یونانیوں نے جو بُرا سلوک کیا تھا اس کے مقابلے میں مسلمانوں کا حسن سلوک مثالی تھا۔ یونانی اور عیسائی انہیں مارتے تھے اور ان سے جبری مشقت لیتے اور ان کے پاس جو کچھ ہوتا تھا لُوٹ لیتے تھے۔ بے شمار عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور مسلمانوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ ایک قدیم روزنامچے میں لکھا ہے:

> ''اپنے ظالم ہم مذہبوں سے بھاگ کر وہ ان مسلمانوں کے پاس چلے گئے تھے جو ان کے ساتھ محبت اور ہمدردی سے پیش آتے تھے اور جہاں یہ محفوظ تھے۔ ہم نے سنا ہے کہ تین ہزار افراد ترکوں سے اس وقت جا ملے تھے جب وہ فتح کے بعد واپس جا رہے تھے۔''

یہ وہ تحریریں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان فرمانروا جنہوں نے اسلامی اخلاقیات کے اصول اپنا رکھے تھے، وہ رواداری، رحمدلی اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرتے تھے۔ اسی طرح سلطنت عثمانیہ جو صدیوں تک تین براعظموں میں قائم رہی، اس کی تاریخ اس قسم کی رواداری اور عدل کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

سلطان بایزید دوئم کے عہد میں یہودی جس طرح اس وقت سلطنت عثمانیہ میں آ کر آباد ہوئے جب انہیں اپنے ملک میں قتل کیا جا رہا تھا اور اسپین و پرتگال کی حکومتوں نے ان کو جلاوطنی پر مجبور کردیا تھا، یہ اس رواداری کی بہترین مثال ہے جو صرف اسلامی اخلاقیات ساتھ لاتی ہے۔ اندلس میں مسلمانوں کے دورِ حکومت میں جو یہودی امن وسکون سے رہتے تھے جب اسپین پر کیتھولک بادشاہوں کی حکومت قائم ہوئی تو ان یہودیوں کو بہت تنگ کیا گیا تھا۔ وہی اندلس جہاں مسلمان، عیسائی اور یہودی مل جل کر امن وسلامتی میں رہتے تھے اب وہاں کیھولک بادشاہوں نے سب لوگوں کوعیسائی بننے پر مجبور کردیا تھا۔ مسلمانوں پر جنگ مسلط کر کے یہودیوں پر مظالم ڈھانے کی حد کردی گئی تھی۔

اسپین میں اسلامی سلطنت 1492ء میں اس وقت ختم ہوگئی تھی جب شہنشاہ فرڈی ننیڈ اور ملکہ ازابیلا کی افواج نے غرناطہ فتح کر لیا تھا۔ اوپر تصویر میں سقوطِ غرناطہ دکھایا گیا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1492ء میں غرناطہ کے آخری مسلمان فرمانروا کوتخت سے اتار دیا گیا تھا۔ شہر میں مسلمانوں کی خونریزی اور قتل و غارت کی انتہا کردی گئی تھی۔ جن یہودیوں نے اپنا مذہب تبدیل کرنے سے انکار کیا انہیں جلاوطن کردیا گیا تھا۔

ان یہودیوں میں سے کچھ سلطنت عثمانیہ میں پناہ لینے آ گئے تھے جہاں انہیں

بخوشی پناہ دے دی گئی تھی۔ عثمانی بحری بیڑے نے جس کی کمان کمال رئیس کو سونپی گئی تھی۔ جلاوطن ہونے والے یہودیوں کو اپنے جہازوں میں ساتھ لے آنے کا فریضہ سرانجام دیا تھا۔ وہ مسلمان جو زندہ بچ گئے تھے وہ بھی غرناطہ سے سلطنت عثمانیہ میں چلے آئے تھے۔

سلطان بایزید دوم کو تاریخ میں ایک نہایت متقی و پرہیزگار بادشاہ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے 1492ء میں ان یہودیوں کو اپنی سلطنت کے مختلف حصوں میں آباد کردیا تھا، جن پر اسپین میں بڑا ظلم کیا گیا اور جلاوطنی پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ ان دنوں 25000 ترک یہودی جو ترکی میں آباد ہیں ان میں سے زیادہ تر ان اسپینی یہودیوں کے آباؤ اجداد ہیں۔ یہ 500 برس قبل اسپین سے جو مذہب اور روایات ساتھ لائے تھے انہیں اپنائے ہوئے ہیں۔ یہ بہت آرام سے زندگی گزار رہے ہیں جن کے اپنے سکول، ہسپتال، ضعیفوں کے لیے دارالفلاح، ثقافتی تنظیمیں اور اخبارات ہیں۔ ان میں تاجر بھی ہیں اور مختلف پیشوں میں بھی ان کے نمائندے موجود ہیں جن میں ٹیکنیکل شعبوں سے لے کر شعبہ اشتہارات تک شامل ہے۔ دانشوروں میں بھی ان کے لوگ موجود ہیں۔

یورپ کے بہت سے ملکوں میں یہودیوں کو نسلی حملوں کا ڈر دامن گیر رہا تھا مگر ترکی میں یہ لوگ تحفظ اور امن وسکون سے زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ ایک مثال ہی کافی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اپنے ساتھ رواداری اور عدل و انصاف لایا ہے۔

وہ رواداری اور رحم دلی جس کا مظاہرہ سلطان بایزید دوم نے کیا وہی تمام عثمانی سلاطین کا طرۂ امتیاز رہا۔ جب سلطان مہمت نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو عیسائیوں اور یہودیوں کو پوری آزادی کے ساتھ زندگی گزارنے کی اجازت تھی۔ آندرے مائیکل جو اپنی ان تحریروں کی وجہ سے مشہور ہے جن میں اس نے مسلمانوں اور اسلامی دنیا کی

رواداری اور عدل کا ذکر کیا ہے لکھتا ہے:

''عیسائی ایسی پُرامن زندگی گزار رہے تھے جو انہیں بازنطینی اور لاطینی ادوار میں حاصل نہ تھی۔ ان پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی جاتی تھی۔ اسلامی سلطنت خصوصاً استنبول ان اسپینی یہودیوں کی جائے پناہ بن گئے تھے جن کو بڑی بے دردی کے ساتھ جلا وطن کیا گیا تھا۔ لوگوں کو زبردستی مسلمان نہیں کیا جاتا تھا۔ اسلام پھیلانے کی تحریکیں سماجی عمل کے نتیجے میں شروع ہوئی تھیں۔

جیسا کہ ان حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان فرمانروا تاریخ میں کبھی بھی ظالم نہیں رہے۔ انہوں نے تو تمام اقوام کو تحفظ اور رواداری عطا کی۔ ہر مذہب کے لوگ۔ پوری مذہبی آزادی کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ یہ اس آیت پر عمل کرنے والے تھے:

''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابتدار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں (غلام کنیز) یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا''
(النساء۔ 4:36)

یہ تمام رعایا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے:
[illegible] اخوت، رواداری اور محبت قرآنی اخلاقیات کی بنیاد ہیں اور [illegible] صفات ہیں جن کو اپنانے کی مسلمان کوشش کرتے ہیں (مزید تفصیلات

کے لیے ہارون یحییٰ کی کتاب ''قرآن میں عدل اور رواداری'' پڑھیے)

''جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لیے امن ہے.....'' (الانعام۔6:82)

اُن دہشت گردوں کا اصلی چہرہ جو مذہب کے نام پر بربریت کا مظاہرہ کرتے ہیں

ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ دہشت گردی کی جتنی وارداتیں بھی معصوم انسانوں کے خلاف ہوتی ہیں اسلام کے بالکل خلاف ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی مسلمان سے اس قسم کا جُرم سرزد ہو جائے۔ اس کے برعکس مسلمان تو ایسے لوگوں کو ان وارداتوں سے روکنے والے ہوتے ہیں: یہ ''زمین میں فساد'' کو ختم کرتے ہیں ''عیسائی دہشت گردی''، یہودی دہشت گردی'' یا ''اسلامی دہشت گردی'' کا تو نام ہی نہیں دیا جا سکتا۔ ان بربریت کے کاموں میں ملوث افراد کے پس منظر کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے جس سے معلوم ہوگا کہ زیر بحث دہشت گردی مذہبی نہیں ہوتی بلکہ یہ تو ایک سماجی مسئلہ ہے۔

صلیبی: وہ بربریت پسند جنھوں نے اپنے ہی مذہب کو پامال کر دیا

کسی بھی مذہب کے حقیقی پیغام یا نظام کو بعض اوقات وہ افراد مسخ کر دیتے ہیں جو اس مذہب کے نام نہاد ماننے والے ہوتے ہیں۔ صلیبی جن کا عہد مسیحی تاریخ کا تاریک زمانہ ہے اس قسم کی مسخ شدہ صورت کی ایک مثال ہے۔

صلیبی وہ یورپی عیسائی تھے جنھوں نے گیارہویں صدی کے آخر میں مسلمانوں سے سرزمین مقدس (فلسطین اور اس کا نواحی علاقہ) کو واپس لینے کی مہم

شروع کی تھی۔ ان کے سامنے یہ مذہبی منزل تھی مگر یہ جہاں بھی گئے زمین کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ شہری آبادیوں میں معصوم انسانوں کا خون بہایا، بہت سے دیہات کو لوٹا۔ فتح یروشلم کے وقت یہاں مسلمان، یہودی اور عیسائی اسلامی سلطنت میں امن وسلامتی کے ساتھ زندہ تھے، مگر اب ان کے خون سے یہ سرزمین سرخ ہوگئی تھی۔ انہیں نہایت بے رحمی سے بلاکسی امتیاز کے لقمۂ اجل بنایا گیا تھا۔

ایک مؤرخ کے الفاظ میں: ''انہیں جو شامی یا ترک نظر آیا، خواہ وہ مرد تھا یا عورت، اسے قتل کر دیا گیا تھا''۔ ہمارے کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے دشمن کے لوگوں کے سر قلم کر دیئے تھے، کچھ نے تیروں سے دشمن کو چھلنی کر دیا تھا جو اونچے اونچے بُرجوں سے نیچے آ گرے تھے۔ کچھ کو آگ میں ڈال دیا گیا تھا۔ کٹے ہوئے سروں، ہاتھوں اور پاؤں کے مینار شہر میں دیکھے جا سکتے تھے۔ مردہ انسانوں اور گھوڑوں کے اوپر سے راستہ بنا کر گزرنا پڑتا تھا۔ لیکن ہیکل سلیمانی میں جو کچھ ہوا اس کے مقابلے میں یہ معمولی بات تھی۔ یہاں عبادت میں مصروف لوگوں کا اس قدر خون بہایا گیا تھا کہ گھٹنوں تک خون میں ڈوب کر گھوڑ سواروں کو جانا پڑتا تھا۔

دنوں میں صلیبی فوج نے **40,000** مسلمانوں کو بڑی بے رحمی سے شہید کیا تھا۔ صلیبیوں کی بربریت اس قدر زیادہ تھی کہ چوتھی صلیبی جنگ میں انہوں نے قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کو خوب لوٹا تھا۔

یہ ایک عیسائی آبادی پر مشتمل شہر تھا۔ صلیبیوں نے گرجاؤں میں سے سونے کی چیزیں تک چرا لی تھیں۔

یقیناً یہ ساری بربریت عیسائیت کے مذہبی اصولوں کے خلاف تھی۔ عیسائیت کو انجیل میں ''محبت کا پیغام'' کہا گیا ہے۔ میتھیو کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے اپنے پیروکاروں سے فرمایا: ''اپنے دشمن سے محبت کرو اور جو تمہیں اذیتیں دیتے

ہیں اُن کے لیے دُعا کرو۔'' (میتھیو۔ **5:44**)

لوقا انجیل مقدس میں بیان کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:

''جو تمہیں ایک گال پر تھپڑ مارے، اسے دوسرا گال بھی تھپڑ کھانے کے لیے پیش کرو''۔ (لُوقا۔ **6:29**)

اِس کا بڑا سبب یہ تھا کہ صلیبیوں میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو جاہل و بے علم تھے۔ انہیں بے لگام اجڈ لوگوں کا ہجوم کہا جا سکتا تھا۔

یہ لوگ اپنے مذہب کے بارے میں کچھ نہ جانتے تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے زندگی میں انجیل کا مطالعہ ایک بار بھی نہ کیا تھا بلکہ اس کتابِ مقدس کو ایک نظر تک دیکھا نہ تھا۔ اسی لیے وہ ان اخلاقی اصولوں کے بارے میں بالکل کچھ نہ جانتے تھے جو اس کتابِ مقدس میں آئے ہیں۔ یہ لوگ ان صلیبیوں کے نعروں کی لپیٹ میں آ کر بربریت پر اتر آئے ہیں جو دہشت گردی اور ظلم و زیادتی کو ''اللہ کی مرضی'' کہا کرتے تھے۔ یہ فریب دے کر بہت سے لوگوں کو ان خوفناک کاموں پر آمادہ کر لیا گیا تھا جن کی مذہب میں سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس عہد میں مشرقی عیسائی، بازنطینیہ کے لوگ جو مغربی عیسائیوں سے زیادہ مہذب تھے، اور ان میں انسانی اوصاف زیادہ پائے جاتے تھے۔ صلیبیوں کی فتوحات سے قبل اور بعد میں کٹر عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہنا سیکھ لیا تھا۔ بی بی سی کے ایک مصر ٹیری جونز کے خیال میں جب صلیبی مشرقِ وسطیٰ سے واپس لوٹے تو زیادہ مہذب زندگی کا پھر سے آغاز ہو گیا تھا اور تین مذاہب کے ماننے والوں نے نئے سرے سے امن و سلامتی کے ساتھ رہنا شروع کر دیا تھا۔

صلیبیوں کی مثال عمومی مظہر قدرت کی نشان دہی کرتی ہے۔

کسی بھی نظریے کے ماننے والے جس قدر غیر مہذب، ذہنی طور پر پسماندہ، جاہل و بے علم ہوتے ہیں اسی قدر اُن کا ظلم و زیادتی پر اُتر آنے کا امکان زیادہ رہتا ہے۔ یہی معاملہ ان نظریات کا بھی ہے جن کا مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ دنیا بھر کی کمیونسٹ تحریکیں دہشت گردی اور ظلم و ستم کی طرف مائل ہیں۔ ان میں سے بھی سب سے زیادہ وحشی اور خون کی پیاسی کمبوڈیا کی ''RED KHMERS'' تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ نہایت اجڈ، جاہل اور بے علم لوگوں پر مشتمل تھی۔

قرآن میں مذکور بدوی کردار

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں عرب میں دو سماجی ڈھانچے تھے۔ شہروں میں بسنے والے اور بدو (صحرائی عرب) عرب کے شہروں میں نفیس و شائستہ تہذیب و تمدن موجود تھا۔ تجارتی تعلقات نے شہروں کو بیرونی دنیا سے جوڑ دیا تھا جس سے شہروں میں بسنے والے عربوں میں زندگی کے ''اچھے طور طریقے'' آ گئے تھے۔ ان کی جمالیاتی اقدار میں نکھار آ گیا تھا، وہ ادب بالخصوص شاعری سے بطور خاص لطف اندوز ہوتے تھے۔ دوسری طرف صحرائی عرب تھے جو ان خانہ بدوش قبائل پر مشتمل تھے جو صحرا میں رہتے تھے اور ایک غیر مہذب ثقافت کے حامل تھے۔

اسلام اہل مکہ کے درمیان وجود میں آیا اور یہیں پروان چڑھا۔ یہ شہر اس جزیرہ نما کا ایک بے حد اہم شہر تھا۔ تاہم یہ مذہب جزیرہ نما کے باقی حصوں تک پھیل گیا تھا اور عرب کے تمام قبائل نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان قبائل میں صحرائی عرب بھی تھے جو کسی حد تک مسائل کھڑے کرنے والے مشکل لوگ تھے۔ ان کی ذہنی اور ثقافتی پسماندگی نے ان میں سے کچھ کو اسلام کی روح کو سمجھنے میں رکاوٹ

ڈال دی تھی۔ اس کا ذکر قرآن کی ایک آیت میں اس طرح آیا ہے:

''دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہیے کہ ان کو ان احکام کا علم نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر نازل فرمائے ہیں اور اللہ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔'' (التوبہ۔ 9:97)

صحرائی عرب یعنی وہ سماجی گروپ جو ''کفر اور نفاق میں'' بہت سخت تھے اور خدا کے احکامات کو ماننے سے انکار کرتے تھے وہ پیغمبر خدا، صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اسلامی دنیا کا حصہ بن گئے تھے۔ تاہم بعد ازاں یہ لوگ عالم اسلام کے لیے تکلیف کا باعث بن گئے تھے۔ اس فرقے کو ''خارجی'' کہا جاتا تھا جو بدوؤں کے درمیان پیدا ہوا تھا۔ اِس فرقے کے لوگوں کی سب سے بری عادت یہ تھی کہ یہ وحشی اور کٹر فطرت کے مالک تھے۔

ان خارجیوں کو ''باغی'' کہا جاتا تھا اس لیے کہ یہ سنّی مسلک سے کافی حد تک دور ہٹ گئے تھے۔ یہ لوگ اسلام کی رُوح سے ناواقف تھے۔ انہیں قرآن میں دی گئی نیکیوں کا بھی علم نہ تھا۔ انہوں نے دوسرے تمام مسلمانوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا تھا اور اس جنگ کا جواز چند قرآنی آیات میں ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ ان آیات کو انہوں نے غلط معانی پہنا دیئے تھے۔ مزید یہ کہ انہوں نے ''دہشت گردی کی وارداتیں'' بھی شروع کر دی تھیں۔ حضرت علیؓ کو جو آنحضورؐ کے قریبی صحابہ کرامؓ میں سے تھے اور جن کو ''شہر علم کا دروازہ'' کہا جاتا تھا، ان خارجیوں نے شہید کر دیا تھا۔

بعد کے ادوار میں ''حشیش کا استعمال کرنے والوں'' نے ایک اور دہشت گرد

تنظیم بنا لی' جس میں جاہل اور بے علم کٹر اسلحہ بردار افراد شامل تھے۔ یہ اسلام کی روح سے ناواقف تھے اسی لیے خالی خولی نعروں اور جھوٹے وعدوں سے مرعوب ہو گئے تھے۔

دوسرے لفظوں میں جس طرح صلیبیوں نے عیسائیت کو مسخ کر کے اسے ظلم وتشدد کی تعلیمات والے مذہب کے طور پر پیش کیا تھا۔ اسی طرح مسلمانوں میں بھی کچھ گروپ ایسے پیدا ہو گئے تھے جنھوں نے اسلام کی تعلیمات کا مفہوم بدل دیا تھا اور ظلم و زیادتی اور بربریت پر اُتر آئے تھے۔ ان فرقوں اور صلیبیوں میں قدر مشترک ان کی ''بدوانہ فطرت'' تھی۔ یعنی یہ کہ یہ لوگ بے علم، غیر شائستہ، غیر مہذب اور اپنے مذہب سے ناواقف تھے۔ جس ظلم و بربریت پر یہ اُتر آئے تھے وہ ان کی لاعلمی کی وجہ سے تھی ورنہ ان کا مذہب انہیں اس کی اجازت نہ دیتا تھا۔

ہر دہشت گرد بے رحم ہوتا ہے جس کا واحد مقصد تباہی پھیلانا ہے

رُوسی طوائف الملوکی کا بانی مائیکل بیکونن اور اس کا شاگرد نے شیو ایک پکے دہشت گرد کی تعریف یہ کرتے ہیں:

> اس کا سارا کام (ایک انقلابی کا کام) نہ صرف لفظوں میں بلکہ عملاً بھی یہ ہے کہ معاشرے کے موجودہ نظام کے خلاف اور پوری نام نہاد مہذب دنیا کے خلاف جنگ کی جائے، اس کے قوانین، اخلاقی اصولوں اور رسم و رواج کے خلاف لڑا جائے۔ یہ ایک ایسا حریف ہوتا ہے جو کسی صورت مصالحت نہیں کرتا......وہ صرف سائنس کو جانتا ہے، تباہی و بربادی کی سائنس کو، (الارم نامی اخبار میں مضمون

شائع ہوا تھا ''سماجی انقلاب کے لیے بیکونن کا ابتدائی کام'' 26 دسمبر 1885ء۔ صفحہ نمبر 8)۔

ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ دہشت گرد وہ افراد ہوتے ہیں جو ہر مادی، روحانی قانون یا اصول سے وابستہ ہو کر ہر دوسری اخلاقی قدر کو مسترد کر دیتے ہیں اور جو ان اصولوں کو اپنے عزائم کے راستے کی رکاوٹیں سمجھتے ہیں۔ بیکونن نے یہ بھی کہا: دن، رات اُسے (انقلابی کو) ایک ہی فکر دامنگیر رہتی ہے، اس کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے: بے رحمی اور بربریت سے تباہی پھیلانا؛ یہ اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے بے چین رہتا ہے وہ خود ہر وقت مرنے کے لیے تیار رہتا ہے اور جو کوئی اس کے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کرے اسے قتل کر دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ وہ اپنی کتاب میں (''سماجی انقلاب کے لیے ابتدائی کام'') بتاتا ہے کہ ایک دہشت گرد کو کس قسم کا انسان ہونا چاہیے:

وہ اپنی ذات کے ساتھ اور دوسروں کے ساتھ سخت ہوتا ہے۔ تمام کمزور جذبات جو رشتہ و تعلق دوستی، محبت اور شکرگزاری سے متعلق ہوں انہیں انقلابی کام کے ذریعے سختی کے ساتھ دبا دیا جائے۔ ان الفاظ سے دہشت گردی کا سیاہ چہرہ سامنے آتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام جس کی بنیاد امن و سلامتی، رواداری اور محبت پر ہے اس کے سخت خلاف ہے۔ درج ذیل آیت میں اللہ فرماتے ہیں کہ امن وسلامتی ہی میں انسانیت کی نجات ہے اور اس کے برعکس جنگ اور تصادم کا ساتھ دینا شیطان کی پیروی کرنے کے مترادف ہے:

> ''ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''
> (البقرہ۔2:208)

دہشت گردی کے بارے میں اجتماعی نفسیات

دہشت گردوں کا ایک اور اہم امتیاز یہ ہے کہ وہ مجموعی جذبے سے وارداتیں کرتے ہیں۔ چونکہ ہر دہشت گرد کے سامنے ایک ہی مقصد یا واحد منزل ہوتی ہے اس لیے انفرادی یا ذاتی انتخاب کوئی معانی نہیں رکھتا۔ اس مجموعی جذبے کے ساتھ جو افراد یہ کام کرتے ہیں اگر وہ ہوش میں ہوں تو ایسا کبھی نہ کریں۔ یہ لوگ اپنی مرضی سے اور کسی خود آگہی کے تحت یہ ظلم و بربریت کے کام نہیں کرتے۔ بہت سے ملکوں میں دہشت گردوں کے گروہ ان افراد پر مشتمل ہوتے ہیں جو عقل کے کورے، اور ایسے غیر تعلیم یافتہ افراد ہوتے ہیں جو اجتماعات کے اندر نعروں سے متاثر ہوکر جذباتی فیصلے کر بیٹھتے ہیں۔ اجتماعی وارداتیں کرتے وقت انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا وہ کیا کرنے جا رہے ہیں۔ ایک لمحہ کے اندر یہ افراد قاتل بن کر اپنے ہاتھ خون سے رنگ لیتے ہیں۔ یہ ایسے دہشت گرد بنتے ہیں جو غیر انسانی بربریت اور ظلم و تشدد سے بھرپور کاموں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ ایک شخص جب تنہا ہو تو خاموش اور چپ چاپ دکھائی دیتا ہے۔ مگر جب وہ کسی دہشت گردوں کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے تو قتل و خون ریزی کے ایسے کاموں میں ملوث ہو جاتا ہے جس کا بظاہر کوئی سبب نہیں ہوتا۔ ان پر ایک جنون کی سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور یہ اپنی جان تک دینے سے نہیں کتراتے۔ دہشت گردوں کی اکثریت ان افراد پر مشتمل ہوتی ہے جو کمزور قوت ارادی کے مالک اور مردہ ضمیر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اجتماعی نفسیات کے اثر کے تحت بھیڑوں کے ریوڑ کی طرح ہو جاتے ہیں۔ استدلال پر جذباتیت حاوی اور طبیعت جرائم کی طرف مائل ہوجاتی ہے۔ ایسے افراد کو جلد غلط راستے پر لگایا جا سکتا ہے اور یہ قانون کی کسی حد سے واقف نہیں ہوتے۔

قرآن میں اس اجتماعی نفسیات کی غلطی کا ذکر آتا ہے جہاں یہ کہا گیا ہے کہ انسانوں کو اپنی مرضی اور ذہنی رہنمائی میں کام کرنا چاہیے:

> ''جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے''
> (بنی اسرائیل۔ 17:36)

دہشت گردی کے سرچشموں میں سے ایک: تیسرا عالمی کٹرپن (یا جنون)

یہ تاریخ کی وہ مثالیں ہیں جو ہمیں ''اسلامی دہشت گردی'' کی اصطلاح کے مفہوم سے بہتر طور پر شناسا کرائیں گی جو آج کل عالمی ایجنڈے میں سرفہرست ہے۔ اس لیے کہ وہ افراد جو اسلام کے نام پر دہشت گردی کرتے ہیں اور وہ جو ان کی تائید کرتے ہیں یا ان کا ساتھ دیتے ہیں عالم اسلام کی بہت محدود سی تعداد کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ اس خاص کردار میں سے جنم لیتے ہیں جو بدوؤں کا ہوتا تھا مگر اس کا اسلام سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام کی رُوح سے بے خبر ہوتے ہیں جو امن و سلامتی، عدل و انصاف کا مذہب ہے۔ یہ افراد اسے بربریت کا آلہ کار بنا دیتے ہیں۔ یہ تو دراصل ان کے سماجی اور ثقافتی ڈھانچے کا حصہ ہوتا ہے۔ اس بربریت کی ابتداء جسے ''تیسرا عالمی کٹرپن'' (یا جنون) کہا جاسکتا ہے ان لوگوں نے کی جو دوسرے انسانوں سے محبت نہیں کرتے۔

یہ حقیقت ہے کہ پچھلی چند صدیوں کے دوران اسلامی دنیا کے تمام مسلمان مغربی طاقتوں اور ان کے اتحادیوں کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے رہے ہیں۔ یورپی ریاستوں کی نوآبادیاتی سلطنتوں نے جن کی پشت پناہی مغرب (مثلاً اسرائیل) کر رہا ہے اجتماعی طور پر مسلمانوں کو بڑی اذیتیں دی ہیں۔ تاہم مسلمانوں کے لیے اس

صورت حال میں صرف اور صرف قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

قرآن کے کسی بارے میں بھی خداوندِ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ ظلم کا جواب ظلم سے دیں۔ اس کے برعکس خدا مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ ''بُرائی کا جواب نیکی سے دو'' ''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔'' (حٰم السجدہ۔41:34)

یہ بلاشبہ مسلمانوں کا حق ہے کہ ظلم کے خلاف اپنے ردِعمل کا اظہار کریں مگر اس ردِعمل میں اندھی نفرت شامل نہیں ہو جانی چاہیے، ایسی دشمنی نہیں ہو جانی چاہیے جس کا جواز نہ بنتا ہو۔ خداوندِ تعالیٰ نے اس بارے میں درج ذیل آیت میں باخبر کیا ہے

''......جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گزر جاؤ نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو......'' (المائدہ۔5:2)

دہشت گردی کے کاموں میں دوسری قوموں کے معصوم انسانوں کے خلاف کیے جانے ظلم وستم کو اس عذر اور بہانے کے تحت جائز قرار دینا کہ ''دنیا کی معصوم اقوام کی نمائندگی کی جا رہی ہے'' اسلام سے اس کا کسی طور کوئی تعلق نہیں بنتا۔

ایک اور بات کا تذکرہ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تمام مغربی اقوام اور لوگ درج بالا ظلم و زیادتی کے ذمہ دار نہیں ٹھہرائے جا سکتے جو مسلمانوں کے ساتھ ہو

رہا ہے۔ دراصل مادہ پرستانہ، غیر مذہبی فلسفے اور نظریات جن کا انیسویں صدی میں بڑا چرچا تھا وہی ان غلط کاموں کے ذمہ دار ہیں۔ یورپی نو آبادیاتی نظام کی ابتداء عیسائیت سے نہیں ہوئی۔ دوسری طرف مذہب کے خلاف اٹھنے والی تحریکیں جو عیسائیت کی اَقدار کی مخالف کرتی ہیں نو آبادیاتی نظام تک لے گئی تھیں۔ انیسویں صدی کے مظالم و بربریت کی جڑیں سماجی ڈارونی نظریہ تک جا پہنچتی ہیں۔ مغربی دنیا میں آج بھی ایسے ظالمانہ اور مخالفانہ عناصر موجود ہیں اور ایسا کلچر پایا جاتا ہے جس پر ایسے پرامن اور عادلانہ عناصر حاوی ہیں جن کی جڑیں عیسائیت تک پہنچتی ہیں۔ درحقیقت مغرب اور اسلام ہی نہیں جن میں اصل عدم اتفاق پایا جاتا ہے۔ عام رائے کے برعکس ایک طرف تو یہ مغرب کے کٹر مذہبی انسانوں اور اسلامی دنیا ایک طرف اور دوسری جانب یہ مذہب کی مخالفت کرنے والے لوگوں (مادہ پرستوں، ملحدوں، ڈارونی نظریات کے حامل لوگوں وغیرہ) کے درمیان پایا جاتا ہے۔

ایک اور اشارہ کہ تیسرے عالمی کٹرپن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں یہ ہے کہ کچھ ہی عرصہ پہلے تک یہ کٹرپن کمیونسٹ نظریے میں ملا تھا۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ 1960ء اور 1970ء کی دہائیوں میں اسی قسم کے مغرب کے خلاف دہشت گردی کے کام ان کمیونسٹ تنظیموں نے کیے تھے جن کی پشت پناہی روس کر رہا تھا۔ جوں جوں کمیونسٹ نظریے کے نقوش ماند پڑتے گئے وہ سماجی ڈھانچے جنہوں نے کمیونسٹ تنظیموں کو جنم دیا تھا اسلام کی طرف مائل ہوگئے ہیں۔ یہ ''ظلم و بربریت جسے مذہب کا لبادہ اوڑھا'' کر پیش کیا گیا اس کی تشکیل میں چند اسلامی تصورات کو سابقہ کمیونسٹ لٹریچر میں شامل کر لیا گیا تھا مگر یہ تصورات تو اسلام کی رُوح میں شامل اخلاقی اقدار کے خلاف تھے۔

اس موضوع کے بارے میں آخری رائے یہ ہے کہ اسلام کسی خاص قوم یا جغرافیائی خطے کے لیے مخصوص نہیں ہے نہ یہ ''مشرقی کلچر'' ہے۔ اسلام وہ آخری

مذہب ہے جو پوری انسانیت کی رہنمائی کے لیے آیا ہے اور اس صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو ساری انسانیت کے لیے ہے۔

دہشت گردی کا ایک طریقہ واردات یہ ہے کہ معاشرے میں خوف اور دہشت پیدا کرتی ہے

دہشت گردی کا ایک اہم ترین امتیاز یہ ہے کہ یہ اپنے اہداف اندھا دھند منتخب کرتی ہے۔ یہ حقیقت کہ اس کے اہداف بغیر کسی تمیز کے منتخب کیے جاتے ہیں۔ خوف کے پھیلنے کا سبب بنتی ہے، کیونکہ کوئی بھی اپنے آپ کو محفوظ محسوس نہیں کرتا۔ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ بلاوجہ نشانہ بننے والے ہیں تو کوئی بھی دہشت گردوں سے محفوظ نہیں رہتا۔ ان کا کوئی بھی ہدف ہو لوگ محفوظ نہیں رہتے کیونکہ دہشت گرد اپنے قوانین کے مطابق واردات کرتے ہیں، وقت اور مقام کا انتخاب انہوں نے خود کرنا ہوتا ہے۔ اسی لیے معاشرے میں دہشت گردی کے کام من مانی کارروائیاں ہوتی ہیں جن کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔

دہشت گردی کی تنظیمیں اپنے اہداف پر حملہ اندھا دھند کرتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ معصوم اور دفاع سے محروم افراد مارے جاتے ہیں یا زخمی ہوتے ہیں۔ اس کی ایک منفرد مثال اعصابی گیس کا وہ حملہ تھا جو 20 مارچ 1995ء کو ٹوکیو زیر زمین ریلوے میں کیا گیا تھا۔

مسلمانوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ حقیقی مذہب کو اقوام عالم اور تمام تہذیبوں تک پہنچائیں اور انہیں یہ محسوس کرنے کا موقعہ فراہم کریں کہ وہ اسلام کے قریب تر ہیں۔

وہ لوگ یا گروہ جو اسلام کے نام پر دہشت گردی کرتے ہیں ان کا بھی ایک

بے مثال حل ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم و زیادتی اور بربریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس دنیا کو ایک بھیانک جگہ بنا دیتے ہیں جسے خوبصورت بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ حل یہ ہے کہ اسلام کی اصل شکل پیش کی جائے، اسے لوگوں تک پہنچایا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسے سمجھ سکیں اور اس کے مطابق زندگی بسر کریں۔

انقلاب پسندی کی غلطی

ایک اور خیال یہ ہے کہ ہمیں دہشت گردی کا جائزہ لیتے وقت انقلاب پسندی کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔

انقلاب پسندی کا مطلب ہے تباہ کن فوری انقلابی تبدیلیوں کے ذرائع کی مدد کرنا، خواہ وہ کہیں بھی ہوں۔ اس سلسلے میں سخت پالیسی اپنانے کی ضرورت ہے تاکہ یہ مقصد حاصل ہو جائے۔ انقلابیوں کی خواہش ہوتی ہے کہ فوری تبدیلی لے آئیں اس کے لیے وہ سخت رویہ اختیار کرتے ہیں۔

اس ضمن میں مسلمانوں کے لیے بہترین رہنما قرآن ہے۔ جب ہم قرآن کی روشنی میں انقلاب پسندی پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ مومنین کو جس طرح کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے ان میں تو اس جیسی کوئی بات ہی نہیں۔ جب خدا قرآن میں ایک مومن کا ذکر فرماتا ہے تو اسے محبت کرنے والا، نرم زبان، شیریں کلام شخص بتاتا ہے جو ہر طرح کے تصادم سے دامن بچا کر رہتا ہے اور بحث سے پرہیز کرتا ہے۔ یہ نہایت معاندانہ رویہ رکھنے والے لوگوں کے پاس بھی دوستی کا پیغام لے کر جاتا ہے، ان سے گرمجوشی سے ملتا ہے۔

ہماری رہنمائی کے لیے اس سلسلے میں خداوند تعالیٰ کا وہ حکم ہے جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اس وقت دیا تھا جب انہیں فرعون کے پاس جا کر اس سے نرمی سے گفتگو کرنے کی تاکید کی

گئی تھی:

"تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے"
(طٰہٰ۔20:43-44)

فرعون اپنے دور کا ظالم ترین، باغی اور کافر تھا۔ وہ ایک ایسا مطلق العنان حکمران تھا جس نے خدا کا انکار کر دیا تھا اور بتوں کو پوجتا تھا۔ وہ ایمان والوں پر (اس وقت کے اسرائیلی) ظلم کرتا اور انہیں قتل کر دیتا تھا۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ! اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو! یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سنتا ہے، دیکھتا ہے۔" **(النساء۔4:58)**

خداوند تعالیٰ نے اپنے ان دو پیغمبروں کو حکم دیا کہ اس سرکش شخص کے پاس جائیں مگر اس سے نرمی سے بات کرنا۔
آپ دیکھیں گے کہ اللہ نے انہیں جو راستہ بتایا تھا وہ دوستانہ مکالمے کا تھا اور تصادم اور تلخ کلامی سے روکا گیا تھا۔ چند دوسری مثالیں بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ نے انکار کرنے والوں سے مکالمہ کس طرح کرنا تھا۔ اس مکالمے کا قرآن حکیم میں اس طرح ذکر آیا ہے:

"اور ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا، اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور تم ناپ تول میں بھی کمی نہ کرو۔ میں تو تمہیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں اور مجھے تم پر گھیرنے والے دن کے عذاب کا

خوف (بھی) ہے۔
اے میری قوم ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ اور زمین میں فساد اور خرابی نہ مچاؤ۔
اللہ تعالیٰ کا حلال کیا ہوا جو بچ رہے تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو میں تم پر کچھ نگہبان (اور داروغہ) نہیں ہوں۔
انہوں نے جواب دیا کہ اے شعیبؑ! کیا تیری صلاۃ تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور ہم اپنے مالوں میں جو کچھ چاہیں اس کا کرنا بھی چھوڑ دیں تُو تو بڑا ہی باوقار اور نیک چلن آدمی ہے۔
کہا اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل لیے ہوئے ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے بہترین روزی دے رکھی ہے۔ میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمہارے خلاف کر کے خود اس چیز کی طرف جھک جاؤں جس سے تمہیں روک رہا ہوں۔ میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہی ہے۔ میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے۔ اس پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں"۔ **(ھود۔11:84-88)**

جب ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ نے لوگوں کو اللہ پر ایمان لے آنے کی دعوت دی اور اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی پابندی کرنے کی تلقین کی۔ انہوں نے یہ کام نہایت دوستانہ طور پر اور عجز و انکساری کے ساتھ کیا۔ ان آیات میں ان باتوں کے پس منظر میں موجود کچھ اسباب کی وضاحت کریں گے۔ جب حضرت شعیبؑ یہ فرماتے ہیں "میں تم پر کچھ نگہبان (اور داروغہ) نہیں ہوں" تو وہ لوگوں پر اپنی برتری نہیں چاہتے تھے۔ وہ تو انہیں صرف اس سچائی سے

آگاہ کرنا چاہتے تھے جو اللہ نے نازل فرمائی ہے۔

''تم لوگ صبر وتحمل کرنے والے ہو، جن کی صحیح رہنمائی کی گئی ہے۔''

انکارکرنے والوں کے یہ الفاظ جو انہوں نے حضرت شعیبؑ سے کہے ان کے نرم مزاج اورمہمان نوازی سے بھرپور کردار کوظاہر کرتے ہیں اور یہ کہ انکار کرنے والوں نے خاص طور پراس کی تعریف کی۔

''اے میری قوم! تم کیا سوچتی ہو''؟ حضرت شعیبؑ کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ وہ انکار کرنے والوں سے فرماتے ہیں کہ وہ اپنی عقل کا استعمال کریں اور اپنےضمیر کی آواز پر کان دھریں۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ ان پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ اسی لیے وہ ان سے سوال کرتے ہیں اور یہ پسند فرمایا کہ وہ لوگ اپنے آزاد ضمیر کی مدد سے کسی فیصلے پر پہنچیں۔

''میرا یہ ارادہ بالکل نہیں ہے کہ تمہارے خلاف کر کے خود اس چیز کی طرف جھک جاؤں'' ان الفاظ میں ممانعت دراصل ممانعت نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ کچھ کام گناہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو دعوت دیتے ہیں کہ ان کو ترک کر دیں۔ مزید یہ کہ جب حضرت شعیبؑ یہ فرماتے ہیں کہ ''میں تمہاری مخالفت نہیں کرنا چاہتا'' تو اس سے یہ مراد ہے کہ وہ ان سے جھگڑنا نہیں چاہتے۔ آپ انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتے۔ آپ تو صرف ان کو ایمان قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور اعلیٰ اخلاقی اصولوں کو اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔

اگر آپ قرآن کا مطالعہ کریں تو آپ کومعلوم ہوگا کہ تمام پیغمبروں میں نرم دلی اورصبر وتحمل کی صفات پائی جاتی تھیں۔ خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو''نرم دل اور بردبار'' کہا ہے۔ (9:114) اور ایک دوسری آیت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کا ذکراس طرح فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس چھٹ جاتے، سوآپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں اورکام کا مشورہ ان سے کیا کریں۔ پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (آلِ عمران۔ 3:159)

انقلاب پسندی کی ایک امتیازی علامت غصہ ہے جسے انقلابیوں کی تقریروں، تحریروں اور جلسے جلوسوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ تاہم غصہ مسلمانوں کی خاصیت نہیں ہے۔ خداوندِ تعالیٰ نے قرآن میں مومنین کے بارے میں ارشادفرمایا:

''جو لوگ آسانی میں سختی کے موقعہ پر بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان نیک کاروں سے محبت کرتا ہے۔''
(آل عمران۔ 3:134)

مسلمان کسی حالت میں بھی غصہ نہیں کرتا۔ وہ صرف ایک ہی چیز کی دوسرے لوگوں سے خواہش کرتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئیں اور اخلاقی اصولوں کے مطابق زندگی گزاریں مگر ایسا صرف اللہ کے کرم سے ہوتا ہے۔

دہشت گردوں کے لیے انسانوں کوقتل کرنا، تباہی پھیلانا زندگی کا ایک حصہ ہے۔ ان کے لیے خون خرابہ ایک دانستہ کیا جانے والافعل ہے۔ وہ معصوم انسانوں کوگولی مار سکتے ہیں، بچوں پر بم پھینک سکتے ہیں اور نہایت بے رحمی سے کسی مکان کو نذرِ آتش کرسکتے ہیں۔

ہم خواہ کچھ بھی کریں، ہم لوگوں کو صداقت وسچائی کے بارے میں جتنا بھی

بتائیں، انسانی قلوب اللہ کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس اہم حقیقت کے بارے میں اس آیت میں یاد دلایا ہے:

"تو کیا ایمان والوں کو اس بات پر دلجمعی نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دے......؟" (الرعد۔13:31)

ایک اور آیت میں اسی حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

"اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہو جائیں"۔ (یونس۔10:99)

اس لیے مسلمانوں کا فرض صرف اتنا ہے کہ وہ حقائق بیان کر دیا کریں اور لوگوں کو ایمان قبول کرنے کی دعوت دے دیا کریں۔ لوگ اس دعوت کو قبول کریں یا نہ کریں یہ کُلی طور پر ان کے اپنے ضمیر کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس حقیقت کو وہاں ظاہر کیا ہے جہاں وہ فرماتا ہے کہ دین میں کوئی جبر اور زبردستی نہیں:

"دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے روشن ہوچکی ہے۔ اس لیے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔" (البقرہ۔2:256)

اس لیے لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مسلمان بن جائیں یا مسلمانوں کو عبادات کے لیے مجبور کیا جائے اور گناہوں سے بچنے پر مجبور کیا جائے۔ انہیں صرف نصیحت کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چند آیات میں اپنے پیغمبر کو مخاطب

کر کے فرمایا کہ مسلمان ظالم نہیں ہو سکتے:

"یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں۔ تو آپ قرآن کے ذریعے انہیں سمجھاتے رہیں جو میرے وعید (ڈراوے کے وعدوں) سے ڈرتے ہیں۔" (قٓ۔50-45)

"آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے پہنچ چکا ہے۔ اس لیے جو شخص راہِ راست پر آ جائے سو وہ اپنے واسطے راہ راست پر آئے گا اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا اسی پر پڑے گا اور میں تم پر مسلّط نہیں کیا گیا۔" (یونس۔10:108)

مسلمانوں کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ وہ اپنے مذہب کے بارے میں تفصیلات بتائیں وہ کسی پر جبر اور سختی نہیں کر سکتے اور ظالم انکار کرنے والوں سے بھی انہیں نرمی سے گفتگو کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یہ لوگ انقلابی نہیں ہو سکتے کیونکہ انقلاب پسندی میں ان خوبیوں کے متضاد خوبیاں پائی جاتی ہیں جن کو ہم نے اوپر گنوایا ہے۔ بیشک یہ انقلابیت غیر اسلامی فکر ہے اور یہ ایک ایسی سیاسی لہر ہے جو باہر سے اسلامی دنیا میں داخل ہوئی ہے۔ جب ہم اس انقلابیت کا جائزہ سماجی زاویے سے لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنیادی طور پر کچھ طریقوں کا مجموعہ اور ایسے اعلانات پر مشتمل ہے جو ماضی میں کمیونسٹوں نے کیے تھے۔ یہ "جاہلیت کی حمیت" کا اظہار ہے جس کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔

تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ غصے کو مسترد کر دیں اور اس غیر لچکدار رویے کو نہ اپنائیں جو قرآنی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔ یہ دوستی، رواداری، رحمدلی اور نرم

دلی کو اپنائیں ۔ مسلمانوں کو پوری دنیا کے لیے مثال قائم کرنی چاہیے تا کہ ان کی رواداری، اعتدال پسندی اور امن پسندی کی تعریف ہو۔ مسلمانوں کو اسلام کی روح اپنانے کی ضرورت ہے تا کہ دنیا بھر میں وہ اسلام کے نمائندوں کے طور پر زندہ رہ سکیں۔ انہیں اس کے ساتھ ساتھ سائنس، کلچر، فنون، جمالیاتی اور سماجی نظام اور دوسرے شعبوں میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔

اسلام کی دوسروں کے لیے تشریح کرنا اور ان خیالات کی تردید کرنا جنہیں خواہ مخواہ اسلام کے ساتھ نتھی کیا جاتا ہے مسلمانوں کے فرائض میں شامل ہے۔ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ مسلمانوں کو دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے۔

> ''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے۔ یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے۔'' (النحل۔ 16:125)

دہشت گرد کے طریقے اور نفسیات

آج کی زبان میں دہشت گرد کا تصور بڑے وسیع معانی رکھتا ہے۔ عموماً اسے انقلابی نظریات کے حامل گروہوں کی مسلح دہشت گردی سمجھا جاتا ہے۔ دہشت کا عام مطلب ڈرانا، خوفزدہ کرنا بھی لیا جاتا ہے۔ اس خوفزدہ کرنے کا دائرہ بڑا وسیع ہے جس کے اندر ان لوگوں کی زندگیوں کو بھی خطرہ لاحق ہوتا ہے جو ظلم و تشدد اور خوف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دہشت میں خوفزدہ کرنے کا وہ عمل بھی شامل ہوتا ہے جس میں لوگوں کو ایک خاص طرح سے سوچنے پر مجبور کر کے ایک خاص رویہ اختیار کرنے پر

پابند کیا جاتا ہے۔ یہ خوف اور ڈر پھیلانے کے لیے ہر قسم کا ظلم روا رکھا جاتا ہے۔ مگر ہر صورت حال میں دہشت گردی کا نشانہ براہ راست یا بالواسطہ شہری ہی بنتے ہیں۔ دہشت گردی کی تنظیمیں مدد حاصل کرنے کے لیے دہشت پھیلاتی ہیں ۔ خوفزدہ کرنے کی ان کی کوشش اپنی طاقت میں اضافہ کے لیے اور تمام شہریوں کی مدد کے حصول کے لیے کی جاتی ہے۔

ہم جب لفظ ''دہشت'' بولتے ہیں تو لوگوں کے ذہنوں میں پہلی بات یہ آتی ہے کہ یہ ''دائیں بازو والوں کی دہشت'' ہے لیکن تیسری دنیا کے ممالک میں بھی دہشت کی ایک قسم ہے جسے آمرانہ قوتیں پھیلاتی ہیں۔ دراصل یہاں حقیقت سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ دہشت کو پھیلاتے وقت دائیں بازو کی دہشت کے گُر استعمال کیے جاتے ہیں۔ ایک آمر یا برسراقتدار گروہ مظالم ڈھاتا ہے اور ذاتی فائدے کے لیے اپنی طاقت کا استعمال کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کی معاشرتی سطح پر مخالفت کی جاتی ہے۔ اس صورت حال میں آمرانہ قوت ہمیشہ یہی فارمولا استعمال کرتی ہے تا کہ وہ یہ ظاہر کر سکے کہ وہ اپنے مدمخالف سے زیادہ طاقتور ہے ۔ وہ دہشت پھیلاتے ہیں تا کہ شہری خوفزدہ ہو جائیں اور ان کی اپنی طاقت یکجا ہو جائے۔

دوسری طرف دہشت گردی کی تنظیمیں اپنی اپنی نظریاتی حکمت عملی کے تحت یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ ان کا مقصد ایک حکومت کو ہٹانا ہوتا ہے تا کہ ان برسراقتدار لوگوں کو اقتدار سے ہٹا دیں جو ان کے خیال میں اس کے حقدار نہ تھے، ظالم تھے اور یہ سب کچھ کر کے وہ لوگوں کو زیادہ پُرمسرت اور خوشحال زندگی دے سکیں گے۔ مگر یہ دعویٰ مبنی برحقیقت نہیں ہوتا۔ سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو حکم دیتا ہے جو اس طرح سوچتے ہیں:

دہشت گرد لوگوں کو جسمانی اور نفسیاتی طور پر نقصان پہنچاتے ہیں تا کہ ایک خاص مقصد حاصل کر سکیں۔ مذہبی اخلاقیات دہشت گردی کے خلاف ہے کیونکہ اس

کا مقصد دنیا میں بسنے والے انسانوں کے درمیان محبت پھیلانا، ان کی خیرخواہی کی تمنا کرنا، رحمدلی، خوشی و مسرت اور اُمید کو معاشرے میں عام کرنا ہوتا ہے۔

قرآن کی اخلاقی تعلیم میں کسی معصوم انسان کا قتل نہایت ظالمانہ فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ ظالمانہ کاموں سے منع فرماتا ہے۔

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار ہو! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور (سمجھ) نہیں رکھتے۔''
(البقرہ۔ 2:11-12)

دہشت گردوں کے لیے انسانوں کو قتل کرنا ایک عام بات ہے۔ یہ لوگ معصوم انسانوں کو بلاوجہ گولی کا نشانہ بنا دیتے ہیں، بچوں پر بم پھینکتے ہیں۔ ان کے لیے خونریزی ایک خوشی و مسرت کی بات ہے۔ یہ لوگ انسانیت سے خارج ہو گئے ہیں اور اب ان میں اور وحشی درندوں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ اگر ان میں سے کوئی ذرا سی بھی رحمدلی دکھاتا ہے تو یہ اسے بزدل یا غدار قرار دے کر اس کے مرتبے سے گرا دیتے ہیں۔ یہ اکثر آپس میں بھی ایک دوسرے پر گولیاں چلا دیتے ہیں اور اپنی ہی تنظیموں کے اندر سے کئی افراد کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتے ہیں۔

دہشت گردی خون خرابے کا ایک ظالمانہ طریقہ ہے جو کوئی ظلم و بربریت کے اس فعل کی حمایت کرے گا وہ ایک شیطانی نظام کا دفاع کرے گا۔ اگر ایک دہشت گرد مذہبی زبان اور اشارات کو استعمال کرتا ہے تو اس سے کوئی دھوکا نہ کھائے۔ یہ لوگ جو مذہب کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں ان کا جرم دوگنا بڑھ جاتا ہے، ایک تو خون

ریزی دوسرا مذہبی پروپیگنڈہ جو وہ ایسے سفاکانہ کاموں کے وقت مذہب کا نام لے کر کرتے ہیں۔

دہشت گردی اور مذہب ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہیں۔ دہشت گردی میں ظلم، قتل و غارت، تصادم شامل ہوتا ہے جو قرآنی تعلیم کے مطابق سبھی ظلم و زیادتی کی شکلیں ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے امن و سلامتی، یگانگت، خیر خواہی اور صلح جوئی پر زور دیا ہے وہ تو دہشت گردی سے منع فرماتا ہے اور ہر اُس کام سے روکتا ہے جو امن و سلامتی والا کام نہ ہو جو ایسے کاموں میں ملوث ہوتے ہیں ان پر اللہ ملامت بھیجتا ہے:

''اور جو اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کے لیے لعنتیں ہیں اور ان کے لیے برا گھر ہے۔'' (الرعد۔ 13:25)

دہشت گردوں اور اس قسم کے دوسرے کام کرنے والوں میں ایک قدر مشترک یہ ہوتی ہے کہ یہ اللہ کی محبت اور اس کے خوف سے مکمل آزاد ہوتے ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر یُوں فرمایا ہے:

''اور تو کسی ایسے شخص کا بھی کہا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا، بے وقار، کمینہ، عیب گو چغل خور، بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھ جانے والا گنہگار، گردن کش پھر ساتھ ہی بے نسب ہو''
(القلم۔ 68:10-13)

اللہ تعالیٰ نے بلاوجہ بغاوت پر اتر آنے اور قتل و غارت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسلام میں دہشت گردی کے کام اور فتنہ و فساد پھیلانے سے روکا گیا ہے۔

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ یوں ہوا ہے:

''آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کو تم جانتے نہیں۔'' (الاعراف۔7:33)

''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔'' (المائدہ۔5:8)

دہشت گردی کے کارنامے:

دہشت گردی کے پروپیگنڈے کا ایک اہم واقعہ

دہشت گرد ظلم و زیادتی کے کاموں کو اپنی تنظیموں کے لیے پروپیگنڈا تصور کرتے ہیں۔ معصوم انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنا، بینکوں کو لوٹنا، اغوا کرنا اور بم رکھ آنا سارے کام ان کی وارداتوں کا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ وہ دہشت گرد جو خوف و ہراس پھیلانا چاہتا ہے اس ایک کام سے اسے اتنی پبلسٹی مل جاتی ہے جتنی شاید کئی لاکھ اشتہار بانٹنے سے نہ مل سکے۔

جس کسی کے دل میں رحمدلی، رواداری اور ترس ہو اس کے لیے یہ خیال بالکل انوکھا ہوگا۔ یہ قرآنی تعلیمات کے منافی ہے اور ایسے کام صرف ان معاشروں میں ہوتے ہیں جن میں مذہب دشمن نظریات کو جگہ دے دی گئی ہو۔ اس کا ایک ہی حل ہے کہ قرآن کے اخلاقی اصولوں کو پھیلایا جائے اور انہیں زندگی میں اپنا

لیا جائے۔

دہشت گرد اپنے تخریبی کاموں کو اپنے پروپیگنڈے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ انسانوں اور املاک کو تباہ کر کے خوف و ہراس پھیلانے کی توقع رکھتے ہیں۔

''اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف تم کو بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔'' (یونس۔10:25)

اہل کتاب کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر

جب سے ریاستہائے متحدہ امریکا کے خلاف دہشت گردی کی وارداتوں کا آغاز ہوا ہے ایک نیا موضوع زیر بحث آ گیا ہے اور وہ ہے ''مغرب اور اسلامی دنیا کے درمیان تعلق''۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ 1990ء کی دہائی میں چند دانشور یہ تجویز کر رہے تھے کہ دنیا میں ایک نئی کشمکش کا آغاز ہونے والا ہے جو مغرب اور اسلام کے درمیان ہوگی۔ سموئیل ہننگٹن نے اپنے مشہور مقالے ''تہذیبوں کا تصادم'' (Clash of Civilizations) میں اسی موضوع پر بحث کی ہے۔ مگر ہمارے خیال میں زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ اس کا عنوان ''لاعلمی کا تصادم'' (Clash of Ignorance) رکھا جائے جیسا کہ ایڈورڈ سعید نے بھی اسے یہی نام دیا ہے۔ اس کی بنیاد ایک تصوراتی منظرنامے پر ہے جسے چند انقلابی اور لاعلمی پر مبنی اس تاثر سے تخلیق کیا گیا ہے جو ان دو تہذیبوں میں پایا جاتا ہے۔ دراصل مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب میں کوئی تصادم نہیں پایا جاتا کیونکہ یہودیت اور عیسائیت کے عقائد اور وہ عقائد جن پر مغربی تہذیب کی بنیاد ہے، اسلام کے ساتھ پوری ہم آہنگی رکھتے ہیں۔

قرآن میں یہودیوں اور عیسائیوں کو اہل کتاب کہا گیا ہے۔ اس لیے

ان دو مذاہب کے لوگ ان آسمانی کتابوں کو مانتے ہیں جو اللہ نے نازل کیں۔ اہل کتاب کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر انصاف اور ہمدردی و رحمدلی پر مبنی ہے۔

اہل کتاب کے لیے یہ رویہ اسلام کی آمد کے ساتھ اپنایا گیا تھا۔ اس وقت مسلمان اقلیت میں تھے اور اپنے عقیدے کا دفاع کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اہل مکہ (کفار) ان پر مظالم ڈھاتے تھے۔ ان کے ظلم و زیادتی سے تنگ آکر کچھ مسلمانوں نے مکہ سے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ کسی ایسے ملک میں پناہ لی جائے جہاں وہ محفوظ بھی ہوں اور حکمران بھی عادل اور منصف ہو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی کے پاس چلے جائیں۔ یہ مسلمان جب وہاں پہنچے تو انہیں بڑی محبت سے خوش آمدید کہا گیا۔ وہ ایلچی جو ان مسلمانوں کو واپس مکے لانے حبشہ گئے تھے انہیں نجاشی نے انکار کردیا تھا کہ یہ مسلمان اسی کے ملک میں رہیں گے۔

عیسائیوں کے رحمدلی، ہمدردی اور عدل پر مبنی سلوک کا ذکر قرآن کی ایک آیت میں اس طرح آیا ہے:

> ''اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب آپ یقیناً انہیں پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں علماء اور عبادت کے لیے گوشہ نشین افراد پائے جاتے ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔''
> (المائدہ۔5:82)

مشترک عقائد اور اقدار جو مسلمانوں اور دیگر اہل کتاب میں پائی جاتی ہیں

عیسائیوں اور مسلمانوں میں بہت سے عقائد مشترک ہیں۔ یہودیت کے بھی بہت سے عقائد وہی ہیں جو اسلام میں ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ مسلمانوں کا وہی عقیدہ ہے جو اہل کتاب کا ہے اور یہ ان سے کہتے ہیں:

> ''اور صاف اعلان کر دو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اُتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر اتاری گئی۔ ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے، ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں''۔
> (العنکبوت۔29:46)

ان تین مذاہب کے تمام سچے ماننے والے:

☆ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ نے اس کائنات کو عدم سے تخلیق کیا اور جو کچھ اس کائنات میں ہے اس پر اسے برتری حاصل ہے اور وہ قادر مطلق ہے۔

☆ اس بات پر ایمان کہ اللہ نے انسان کو اور دوسرے جانداروں کو ایک معجزانہ انداز میں پیدا کیا اور اللہ نے انسان میں روح پھونکی۔

☆ اس بات پر ایمان کہ یوم حساب آنا ہے، جنت، دوزخ اور فرشتے ہیں اور اللہ نے ہماری تخلیق کر کے ہمیں ایک تقدیر بخش دی ہے۔

☆ اس بات پر ایمان کہ حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ علیہ السلام، یا حضرت محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اللہ نے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یوسفؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور وہ ان سارے پیغمبروں سے محبت کرتے ہیں۔

درج ذیل آیت میں ارشاد ربانی ہوا کہ مسلمان پیغمبروں میں کوئی تفریق نہیں کرتے:

''رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے، یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے۔ انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں، اے ہمارے رب! اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے''۔ (البقرہ۔ 2:285)

اہل کتاب کے عقائد مسلمانوں کے عقائد سے ہم آہنگ ہیں۔

قرآن میں عیسائیوں اور یہودیوں کو اہل کتاب کہا گیا ہے اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کی عزت کرو ان پر رحم کرو اور ان سے مہربانی سے پیش آؤ۔ عیسائی اور یہودی دونوں اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور ان کی اخلاقی اقدار وہی ہیں جو مسلمانوں کی ہیں۔

یہ ہم آہنگی صرف مذہب سے وابستہ معاملات ہی میں نہیں بلکہ اخلاقی اقدار میں بھی ہے۔ آج کی وہ دنیا جس میں زنا کاری، ہم جنسیت، منشیات کا استعمال اور ظلم وزیادتی بڑھ گئے ہیں۔ اس وقت بھی اہل کتاب اور مسلمانوں کے ہاں وہی نیکیاں اور اچھائیاں مشترک طور پر موجود ہیں۔ جن میں دوسروں کا احترام، پاک

بازی، عجز و انکساری، قربانی و ایثار، دیانتداری، ہمدردی، رحمدلی اور بے لوث محبت شامل ہے۔

مذاہب کے خلاف برسرپیکار قوتیں

ایک اور اہم حقیقت جو عیسائیت، یہودیت اور اسلام کو ایک ہی جانب کھینچتی ہے وہ ایسے ملحدانہ فلسفے ہیں جو ہمارے زمانے میں بہت اثرانداز ہو رہے ہیں۔ ہمارے دور کے سب سے معروف اور سب سے زیادہ ضرررساں فلسفے مادہ پرستی، کمیونزم، فاشزم، نراج، نسل پرستی، لاوجودیت اور وجودیت ہیں۔ بہت سے لوگ کائنات، معاشرے اور انسان کے بارے میں تصورات کی غلط تشخیص میں اور پرفریب وغلط تشریحات میں یقین کرنے لگے تھے۔

آج کل مسلمان اور اہل کتاب دونوں ایک وسیع جدوجہد میں مصروف ہیں جو غیر اخلاقی باتوں کے خلاف ہے۔ اس میں جنسی بے راہروی اور منشیات کا استعمال شامل ہیں۔ ان تینوں مذاہب میں سے ہر ایک یہ بات تسلیم کرتا ہے کہ پاکدامنی، دیانتداری اور ایثار بڑی نیکیوں میں شمار ہوتی ہیں۔

وہ یا تو مذہب کھو بیٹھے ہیں یا اس میں تشکیک کا شکار ہو چکے ہیں۔ مزید براں ان نظریات نے انسانوں، معاشروں اور اقوام کو بہت بڑے بحران، تصادم اور جنگوں میں الجھا دیا ہے۔ آج کا انسان جس دکھ درد میں مبتلا ہے اس میں ان کو زیادہ موردالزام ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

ان نظریات اور فلسفوں میں خدا اور اس کی تخلیق سے انکار کیا جاتا ہے اور ان سب کی بنیاد ایک ہی ہے جسے سائنسی بنیاد کہا جاتا ہے اور جو چارلس ڈارون کا نظریۂ ارتقاء ہے۔ ڈارونیت ملحدانہ فلسفوں کی بنیاد بنتی ہے۔ اس نظریے کے مطابق تمام

جاندار ایک حسن اتفاق کے نتیجے میں وجود میں آئے۔ یوں ڈارون نے یہ پرفریب پیغام انسانوں تک پہنچایا:

"تم کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہو۔تمہاری زندگی اتفاقات کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ تمہیں جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے اور کامیابی کے لیے تمہیں دوسروں کو دبا کر رکھنا ہوگا۔ یہ دنیا ایک تصادم ہے اور اس میں خودغرضی اور ذاتی مفاد کو اوّلیت حاصل ہے"۔ وہ سماجی پیغامات جو ڈارونیت نے دیئے مثلاً "قدرتی انتخاب"۔ "جدوجہد برائے زندگی" "جو سب سے زیاد طاقتور ہے صرف اسے بقا حاصل ہوگی" یہ سبھی ایک اصول کی تعلیم پر مبنی ہیں۔ یہ مسخ شدہ اخلاقیات کا درس لوگوں کو خودغرض اور انا پرست اور ظالم و جابر بناتا ہے۔ یہ ان اچھائیوں اور نیکیوں کو تباہ کر دیتا ہے جن میں رحم دلی، ہمدردی، ایثار، انکساری شامل ہیں اور تین بڑے توحیدی مذاہب کی اخلاقی اقدار اسے "قوانین زندگی" کے طور پر پیش کرتی ہیں۔

یہ ڈارونی اصولوں کی تعلیم اہل کتاب اور قرآن کے عقائد کے بالکل خلاف ہے۔ ڈارونی اصولوں کی تعلیم ایک ایسی دنیا کی بنیاد رکھتی ہے جو ان تینوں الہٰیاتی مذاہب کی مخالفت کرتی ہے۔

جب صورت حال یہ ہو اس وقت ضروری ہو جاتا ہے کہ اہل کتاب اور مسلمان آپس میں تعاون کریں کیونکہ یہ ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اخلاقیات اس نے انہیں سکھائی ہے اسے قبول کرتے ہیں۔ ان تین مذاہب کے پیروکاروں کو چاہیے کہ ڈارونیت کے فریب سے دنیا کے لوگوں کو آگاہ کریں جس کی کوئی سائنسی بنیاد

نہیں ہے اور جسے لوگ صرف مادہ پرستانہ فلسفے کی وجہ سے مان رہے ہیں۔ ان سب کو مل کر ایک دانشورانہ جدوجہد شروع کرنی چاہیے تاکہ فلسفے کی وجہ سے تصورات (کمیونزم، فاشزم، نسل پرستی) جو ملحدانہ خیالات کو عام کرتے ہیں اپنی موت آپ مر جائیں۔ ایک بار یہ مقصد حاصل کر لیا گیا تو بہت مختصر عرصے میں دنیا بھر میں امن وسلامتی، اطمینان و آسودگی اور عدل و انصاف پھیل جائے گا۔

فاشزم، کمیونزم، نسل پرستی اورنراج ایسے بے دین نظریات ہیں جنہوں نے پوری انسانیت کو تباہی و بربادی سے ہمکنار کیا اور معاشروں کے اندر نفرتوں کے پھیلنے میں حوصلہ افزائی کی۔

ڈارونیت ایک ایسا معاشرہ تجویز کرتی ہے جس میں تصادم اور ظلم و زیادتی کو ترقی کرنے کا ذریعہ دکھایا گیا ہے لیکن معاشرے پر اس کے اثرات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سماجی ڈارونی منصوبہ تو انسانوں کے لیے دکھ درد اور تباہی کے سوا کچھ نہیں لا سکا۔

یہود دشمنی ایک ایسی نسل پرستی ہے جو اسلام کے خلاف ہے

ہمارے زمانے میں یہود دشمنی ایک ایسا نظریہ ہے جو عالمی امن کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے اور معصوم انسانوں کی بھلائی اور تحفظ کو نشانہ بناتا ہے۔ یہ وہ نسل پرستانہ نفرت ہے جو کچھ لوگوں کے دلوں میں یہودیوں کے لیے پل رہی ہے۔

بیسویں صدی میں یہود دشمنی نے بڑی تباہ کاریاں کیں جن میں سے ایک نازیوں کی طرف سے یہودیوں پر کیا جانے والا ظلم اور خونریزی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے ممالک میں آمرانہ حکومتوں نے یہودیوں کو نشانہ بنایا اور ان پر ظلم و زیادتی کی انتہا کردی۔ فاشسٹ تنظیموں نے یہودیوں کو ہراساں کیا اور ان پر قاتلانہ حملے

کیے۔ چنانچہ یہود دشمنی کے بارے میں مسلمانوں کا کیا خیال ہوسکتا ہے؟

اس کا جواب واضح ہے۔ ہر مسلمان کو یہود دشمنی کی مخالفت کرنی چاہیے جس طرح وہ ہر دوسری نسل پرستی کے نظریے کی مخالفت کرتا ہے۔ بیشک مسلمان اسرائیلی ریاست کی ظالمانہ پالیسیوں کی مذمت کرتے ہیں مگر معصوم یہودیوں پر اگر ظلم ہو رہا ہو تو مسلمانوں کو یہ بھی قابل قبول نہ ہوگا۔ تاہم سرکاری صیہونی نظریے پر تنقید کرنے کا یہود دشمنی کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ اس لیے کہ صیہونیت پر اعتراض کرنا نسل پرستی کی انتہائی شکل پر اعتراض کرنے کے مترادف ہوگا۔ بہت سے ایسے یہودی ہیں جو صیہونیت کی نسل پرستانہ پالیسیوں پر تنقید کرتے ہیں اور ان پر یہود دشمنی کا لیبل لگانا بے معنی ہوگا۔ قرآن میں اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ اچھے اور بُرے میں اور ظالم ومعصوم میں ضرور تفریق کرنی چاہیے۔ ان یہودیوں اور عیسائیوں کا حوالہ دینے کے بعد جنہوں نے خُدا کے احکامات کی خلاف ورزی کی تھی، خدا نے کچھ ایسے یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر بھی کیا ہے جنہوں نے اخلاق حسنہ کا مظاہرہ کیا تھا:

> ''یہ سارے کے سارے یکساں نہیں بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت (حق پر) قائم رہنے والی بھی ہے جو راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں، بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور بُرائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ یہ نیک بخت لوگوں میں سے ہیں۔ یہ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں ان کی ناقدری نہ کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب

جانتا ہے۔'' (آل عمران۔ 3:113-115)

یہود دشمنی مذہب دشمنی کا نظریہ ہے جس کی جڑیں نوبت پرستی یا کفر و الحاد میں ہیں۔ اس لیے یہ تصور ہی میں نہیں آسکتا کہ ایک مسلمان کو یہود دشمنی سے ہمدردی ہوگی۔ یہود دشمنوں کے دلوں میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ یا حضرت داؤدؑ کے لیے کوئی احترام نہیں ہوتا جو خدا کے پیغمبر تھے۔

یہود دشمنی اور نسل پرستی کی دوسری قسمیں (مثلاً سیاہ فاموں کے خلاف تعصب رکھنا) حقیقی مذہب میں کوئی جگہ نہیں پاسکتیں۔ یہ مختلف نظریات اور توہم پرستی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔

مزید یہ کہ ہم جب یہود دشمنی اور دوسری نسل پرستی کی شکلوں کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ معاشرے کے لیے ایسے تصورات اور نمونہ پیش کرتی ہیں جو قرآنی تعلیمات میں شامل اخلاقیات کے مکمل خلاف ہیں۔تو یہود دشمنی کی تہ میں نفرت، ظلم و زیادتی اور ہمدردی کا فقدان ملتا ہے۔

ایک یہود دشمن اس قدر ظالم ہوسکتا ہے کہ وہ یہودیوں کے قتل میں مدد کرے گا۔ مردوں، عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کے قتل کی حمایت کرے گا۔ تاہم قرآن کی اخلاقی تعلیم میں تمام لوگوں سے محبت، ہمدردی اور رحم دلی سے پیش آنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس میں تو مسلمانوں کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی عادلانہ سلوک کریں اور انہیں معاف کردیں۔

دوسری طرف یہود دشمن اور نسل پرستوں کی دوسری قسمیں جو کافی تعداد میں اکٹھے امن و سلامتی کے ساتھ دوسری نسلوں کے لوگوں کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں (مثلاً جرمن نسل پرست (نازی) اور یہودی نسل پرست (صیہونی) ان جرمنوں اور یہودیوں کے خلاف تھے جو اکٹھے رہتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے اسے مسترد

کر دیا تھا اور جواز یہ پیش کیا تھا کہ ان کی اپنی اپنی نسل تنزل پذیر ہوئی ہے۔ تاہم قرآن میں مختلف نسلوں کے درمیان معمولی سی تفریق یا امتیاز نہیں رکھا گیا۔قرآن یہ نصیحت کرتا ہے کہ مختلف مذاہب اور عقائد کے لوگ ایک ایک معاشرے میں امن وسلامتی اور خوشی سے زندگی گزاریں۔

قرآن کے مطابق مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کو دوستانہ ماحول میں زندگی گزارنی چاہیے۔

قرآن میں اہل کتاب اور وہ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے کے درمیان نمایاں فرق ہے۔

مُسلمان یہ چاہتے ہیں کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ امن وسلامتی اور اطمینان کے ساتھ زندگی گزاریں۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ تحمل و بُردباری، دوستی، عزت و احترام اور ہمدردی و رحمدلی کا سلوک کریں۔
اس پر سماجی زندگی کے حوالے سے بڑا زور دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ان کے بارے میں جو خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں کہا گیا ہے:

''......بیشک مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں......'' (التوبہ۔ 9:28)

وہ جو دوسروں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں وہ لوگ ہیں جو کسی خدائی قانون کو نہیں جانتے جن کے کوئی اخلاقی اصول نہیں ہوتے، جو کسی بھی سطح پر نیچے گر سکتے ہیں اور بلا جھجھک برے کاموں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔
لیکن اہل کتاب وحی الٰہی کے نزول پر ایمان رکھتے ہیں، اخلاقی اقدار کی پیروی کرتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ قانونی بات کیا ہے اور کیا نہیں۔ اسی طرح

ایک مسلمان مرد کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ کسی ایسی عورت سے شادی کر لے جو اہل کتاب میں سے ہو اس موضوع پر اللہ حکم فرماتا ہے:

''کل پاکیزہ چیزیں آج تمہارے لیے حلال کی گئیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور پاکدامن مسلمان عورتیں اور جو لوگ تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں ان کی پاکدامن عورتیں بھی حلال ہیں جبکہ تم ان کے مہر ادا کرو، اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو یہ نہیں کہ علانیہ زنا کرو یا پوشیدہ بدکاری کرو، منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں'' (المائدہ۔ 5:5)

یہ احکامات ظاہر کرتے ہیں کہ ایک مسلمان مرد اہل کتاب کی ایک عورت سے شادی کر کے آپس میں رشتہ داری قائم کرسکتے ہیں۔ اس موقعہ پر دونوں طرف سے کھانے کی دعوت قبول کی جاسکتی ہے۔ یہ وہ بنیادی باتیں ہیں جن سے انسانی رشتے مضبوط ہوتے ہیں اور مل جل کرخوشگوار زندگی گزاری جاسکتی ہے۔ قرآن چونکہ رواداری کا یہ سبق دیتا ہے اس لیے مسلمان اس کے خلاف نظریہ کیسے رکھ سکتا ہے۔
پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل و رواداری کی جو مثالیں اہل کتاب کے حوالے سے قائم کیں وہ مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ ہوا جو جنوبی عرب میں رہتے تھے۔ اس میں رسول خدا، صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل اور رواداری کی بہترین مثال چھوڑی ہے۔ اس معاہدے میں یہ شق شامل تھی:

نجران اور گرد ونواح کے لوگوں کی زندگیاں، ان کا مذہب، زمین، املاک، مویشی اور ان میں سے وہ جو موجود ہیں یا موجود نہیں، ان کے پیغمبر اور عبادت گاہیں سب اللہ کی حفاظت میں اور اللہ کے رسول کی سرپرستی میں رہیں گی۔

اس قسم کے معاہدوں کے ذریعے اللہ کے رسولؐ نے مسلمانوں کے لیے اور اہل کتاب کے لیے ایک سماجی نظام حاصل کرلیا تھا جس میں امن وسلامتی اور تحفظ کی ضمانت تھی۔ اس نظام کا مکمل عکس درج ذیل آیت میں موجود تھا:

''مسلمان ہوں، یہودی ہوں، نصاریٰ ہوں یا صابی ہوں، جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اداسی''۔ (البقرہ۔ 2:62)

دستور مدینہ ایک ایسا اہم معاہدہ ہے جس نے عیسائیوں، یہودیوں اور کفار کے درمیان عدل و رواداری حاصل کرلی تھی۔

دستور مدینہ 1400 سال قبل رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں تیار ہوا تھا تاکہ مختلف مذاہب کے لوگوں کی ضروریات پوری کی جاسکیں، اسے ایک تحریری قانونی معاہدہ کے طور پر عمل میں لایا گیا تھا۔ مختلف مذاہب اور نسلوں کے وہ لوگ جن میں 120 برسوں سے دشمنی چلی آرہی تھی۔ اس قانونی معاہدے کے فریقوں میں شامل ہوگئے تھے۔ اس معاہدے کی مدد سے آنحضورؐ نے یہ ثابت کردیا تھا کہ مختلف معاشروں کے درمیان موجود تصادم اور دشمنی جس کا خاتمہ نہیں ہورہا تھا، اس طرح ختم ہوگئی تھیں اور اب یہ لوگ صلح وصفائی کے ساتھ آپس میں مل جل کر رہ سکتے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں ایک ایسی عادلانہ اور رواداری کی پالیسی اپنائی گئی تھی جس میں اہل کتاب کا پورا پورا خیال رکھا گیا تھا۔

دستور مدینہ کے مطابق ہر شخص کو اپنے اپنے مذہب یا عقیدے کے مطابق زندگی گزارنے کی پوری آزادی حاصل تھی۔ اُسے سیاسی یا فلسفیانہ نظریے کے انتخابات کی بھی اجازت تھی۔ ایک ہی طرح کے خیالات رکھنے والے لوگ اکٹھے ہوکر ایک گروہ تشکیل دے سکتے تھے۔ ہرکسی کو اپنے منصفانہ نظام پر عمل کرنے کی آزادی تھی۔ تاہم جب کوئی شخص کسی جرم کا ارتکاب کرتا پھر اسے کوئی تحفظ نہ دے سکتا تھا۔ معاہدے میں شامل فریقوں کو ایک دوسرے سے تعاون کرنا پڑتا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند تھے اور ان سب کو پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ حاصل تھا۔ فریقوں کے درمیان تصادم کے وقت معاملات فیصلے کے لیے پیغمبر خدا کے سامنے لائے جاتے تھے۔

یہ معاہدہ 622ھ سے 632ھ تک قائم رہا۔ اس کے ذریعے خونی اور برادریوں کی بنیاد پر قائم قبائلی ڈھانچے منسوخ کردیئے گئے تھے۔ اب مختلف کلچر، فرقے اور جغرافیائی خطے کے لوگ اکٹھے ہوگئے تھے، یوں ایک سماجی اتحاد وجود میں آیا تھا۔ دستور مدینہ سے مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوگئی تھی۔

خانقاہوں، گرجاؤں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں کا احترام کیا جائے

قرآن ہمیں ایک اور اہم بات بھی سکھاتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہوں کا احترام کریں۔ قرآن میں اہل کتاب کی عبادت گاہوں یعنی خانقاہوں، گرجاؤں اور یہودیوں کے عبادت خانوں کو عبادت

کے وہ مقامات کہا گیا ہے جن کو خدا تحفظ دیتا ہے۔

''......اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھا دی جاتیں جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے ۔ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے۔''
(الحج۔22:40)

اس آیت سے ہر مسلمان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اہل کتاب کی عبادت گاہوں کا احترام اور حفاظت کس قدر اہم ہے۔

بیشک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار اور اہل کتاب کے ساتھ معاہدے کیے۔ کفار کے ساتھ اس وقت ہمیشہ عادلانہ سلوک کیا گیا جب انہوں نے تحفظ مانگا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست ہمیشہ منظور فرمائی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جب کبھی اہل کتاب یا مشرک نے کسی خطرے کے موقعہ پر مدد کی درخواست کی، پیغمبر خدا نے ان کی مدد فرمائی تھی۔ سورۃ التوبہ میں اللہ فرماتا ہے کہ جو کفار تحفظ چاہتے ہیں انہیں مومنین تحفظ فراہم کریں:

''اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو تُو اسے پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سُن لے۔ پھر اسے جائے امن تک پہنچا دے۔ یہ اس لیے کہ یہ لوگ بے علم ہیں۔''
(التوبہ۔9:6)

یہودیوں اور عیسائیوں کی بہت سی باتیں ان لوگوں کی نسبت جو خدا کو نہیں مانتے مسلمانوں کی باتوں کے قریب تر ہیں۔ ان تینوں مذاہب کی اپنی اپنی آسمانی

کتاب ہے اور خدا کی نازل کردہ اس کتاب پر انہیں عمل کرنا ہوتا ہے۔ انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے اور ان کی کتابوں کے مطابق قانونی کیا ہے اور غیر قانونی کیا ہے۔ یہ لوگ تمام پیغمبروں کا احترام کرتے ہیں۔ ان سب کا آخرت پر ایمان ہے۔

مساجد، گرجے اور یہودیوں کے معبد عبادت کے وہ خاص مقام ہیں جہاں اللہ کا نام بلند ہوتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان تمام عبادت خانوں کا احترام کیا جائے اور انہیں محفوظ رکھا جائے۔

جہاں انہیں اپنے اعمال کا حساب اللہ کو دینا ہوگا۔ اس طرح ایک مشترک بنیاد ایسی ہے جس پر ہم سب اکٹھے ہو سکتے ہیں۔

مشترک انصاف والی بات کی طرف آؤ

جہاں تک اہل کتاب کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ قرآن میں مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ مشترک انصاف والی بات کی طرف آؤ:

''آپ کہہ دیجیے کہ اے اہلِ کتاب ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی ربّ بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔'' (آلِ عمران۔3:64)

یہ عیسائیوں اور یہودیوں کے لیے ہماری طرف سے دعوت ہے: کہ وہ لوگ

جو خدا کو مانتے ہیں اور وحی الٰہی پر ایمان رکھتے ہیں، مشترک انصاف والی بات کی طرف آئیں ہم اللہ سے محبت کریں جو ہمارا خالق اور مالک ہے اوراس کے احکام کی پیروی کریں اور آئیں کہ ہم مل کر یہ دعا کریں کہ خدا ہمیں زیادہ صراطِ مستقیم پر چلائے ۔ جب مسلمان، عیسائی اور یہودی اس طرح مشترک انصاف والی بات کی طرف آ جائیں گے اور جب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ دوست ہیں دشمن نہیں اور جب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اصل دشمن تو خدا کو مسترد کرنا ہے تو پھر یہ دنیا جائے امن بن جائے گی۔

دُنیا سے برائیاں اس وقت ختم ہو جائیں گی جب مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں نے متحد ہو کر اللہ کی عبات شروع کر دی اور ایک دوسرے کے مذہب کے فرق کو برداشت کرنا شروع کر دیا۔

❖.....❖.....❖

اسلام کا حقیقی امن وسلامتی والا چہرہ

دنیا کے مختلف حصوں میں چھڑ جانے والی جنگیں، دشمنیاں، خوف اور دہشت گردی کے حملے ختم ہو جائیں گے۔ پھر ایک نئی تہذیب جنم لے گی جس کی بنیاد محبت، احترام اور امن پر ہوگی اور مشترک انصاف والی بات پر دنیا میں امن قائم ہو جائے گا۔

کچھ حقائق ایسے ہیں جن پر مسلمانوں کو غور کرنا ہے۔ خدا نے ہمیں قرآن میں مختلف قوموں اور نسلوں کے لیے واضح تعلیم دی ہے:

☆ قرآن میں دی گئی اخلاقیات میں سے ہر قسم کی نسل پرستی خارج ہے۔

☆ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب تک وہ اسلام یا مسلمانوں کے خلاف دشمنی کا اظہار نہیں کرتے اس وقت تک دوسرے مذاہب کے ساتھ دوستی اور رواداری کا روّیہ اختیار کیا جائے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہودیوں نے بہت سی غلطیاں کی ہیں جن کی نشاندہی قرآن کرتا ہے، اس پر تنقید کرتا ہے اور اس بارے میں باخبر کرتا ہے۔ انسانیت کے خلاف جو جرائم آج کے دور میں اسرائیل سے مرتکب ہوئے ہیں ان پر

دنیا بھر میں دکھ کا اظہار کیا گیا ہے مگر اِسے مسلمانوں کو تمام یہودیوں کے خلاف دشمنی کا سبب نہیں بنانا چاہیے۔ قرآن نے اس بات کو بھی واضح کیا ہے کہ کسی خاص نسل کے لوگوں اور گروہ میں اچھے اور بُرے دونوں طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ قرآن نے اس تفریق کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے۔ مثال کے طور پر اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگوں کی طرف سے اللہ اور اس کے دین کے خلاف بغاوت پر اُتر آنے کا ذکر کیا گیا ہے جو باغی فطرت کے مالک ہیں۔ اس میں ایک استثنیٰ کا ذکر بھی یوں کیا گیا ہے:

''یہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں، بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور بُرائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ یہ نیک بخت لوگوں میں سے ہیں۔ یہ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں ان کی ناقدری نہ کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔'' (آلِ عمران۔ 3:113-115)

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں:

''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔ پس بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی پس تم خود زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا کچھ ہوا؟'' (النحل۔ 16:36)

اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں پر افشا کیا کہ وہ ذات بے مثال ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور لوگوں کو اسی کی پرستش اور فرمانبرداری کرنی چاہیے۔

پیغمبروں نے خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ ایسا تخلیقِ آدم کے وقت سے شروع ہو گیا تھا۔ کچھ معاشروں نے یہ پیغام قبول کرلیا تھا اور صراطِ مستقیم پر چل پڑے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ آج بھی یہی صورت حال ہے۔ کچھ لوگ اچھوں کا ساتھ دیتے ہیں جبکہ کچھ فساد پھیلانے والوں کے ساتھیوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ وہ جو ایمان لے آئیں ان کا نقطۂ نظر بھی یہ ہونا چاہیے کہ تمام مذاہب کے لوگوں میں کچھ مخلص، پارسا، متقی اور اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔ جبکہ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مذہب اور اس کے اصولوں سے دور ہوتے ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ ایک دن اس دنیا میں لوگ امن وسلامتی سے زندگی گزار سکیں گے خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب یا نسل سے ہو۔ نسل پرستی کے ہر نظریے کو مسترد کر دیا جائے گا۔ ہر ایک کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا اور ہر انسان کا بلاامتیاز احترام ہوگا۔ دانشورانہ بنیادوں پر جدوجہد کے آغاز کی ضرورت ہے جو تمام مذہب دشمن نظریات کے خلاف ہوگی۔ اس کے نتیجے میں یقیناً وہ امن وسکون قائم ہوجائے گا جس کی ہر انسان آرزو رکھتا ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

''کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ ہوگا اور زبردست فساد ہو جائے گا۔'' (الانفال۔ 8:73)

''پس کیوں نہ تم سے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے ایسے اہلِ خیر لوگ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے، سوائے ان چند کے جنہیں ہم نے ان میں سے نجات دی تھی۔ ظالم لوگ تو اس چیز

کے پیچھے پڑ گئے جس میں انہیں آسودگی دی گئی تھی اور وہ گنہگار تھے۔" (ھود۔11:116)

"جو لوگ نیک عمل لائیں گے انہیں اس سے بہتر بدلہ ملے گا"..........(النمل۔27:89)

اسلام مشرقِ وسطیٰ کے لیے اَمن و سلامتی اور اتحاد کا پیغام لایا

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے جن ممالک میں مسلمانوں کی حکومت تھی وہاں امن وسلامتی، عدل اور رواداری کا دور دورہ تھا، اس لیے کہ یہ فرمانروا قرآن سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ پیغمبر خدا، صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں جو ممالک فتح ہوئے ان کی مثالیں بہت اہم ہیں۔ آپؐ کے بعد آنے والے خلفاء نے بھی عدل و انصاف قائم رکھا۔ انہوں نے قرآن کی رہنمائی سے کبھی دوری اختیار نہ کی اور قرآنی اخلاقیات کے اصولوں کو عام کیا جس سے پرسکون معاشرے تشکیل پائے۔ قرآن میں جس عدل، نیکی واچھائی اور دیانتداری کا ذکر ہے وہ ان فرمانرواؤں کے عہد میں بدستور موجود تھی۔ یہ آنے والی نسلوں کے لیے رول ماڈل تھے۔

سرزمینِ فلسطین اور اس کا دارالخلافہ، جہاں تین مذاہب کے لوگ بستے ہیں، اس لحاظ سے اہم ہیں کہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمان کیسے اپنے ملکوں میں امن و سکون اور استحکام پیدا کرتے ہیں۔ بیشک گذشتہ 1400 برسوں میں مسلم حکومت نے یروشلم اور فلسطین میں امن وسکون پیدا کیا تھا۔

وہ امن وسکون اور عدل جو خلیفہ دوم حضرتِ عمرؓ فاروق فلسطین میں لائے

یروشلم 71ھ تک یہودیوں کا دارالخلافہ تھا۔ اس سال رومی فوج نے یہودیوں

پر ایک بڑا حملہ کیا اور بڑی سفاکی کے ساتھ انہیں اس علاقے سے جلاوطن کر دیا تھا۔ جب یہودیوں کے منتشر ہونے کا زمانہ شروع ہوا اس وقت یروشلم اور اس کا نواحی علاقہ ویران ہو گیا تھا۔

تاہم رومی شہنشاہ کنسٹینٹائن کے عہد میں جب عیسائیت کو فروغ ہوا تو یروشلم پھر سے دلچسپی کا مرکز بن گیا تھا۔ رومی عیسائیوں نے یروشلم میں گرجے تعمیر کیے۔ اس علاقے میں یہودیوں کے آباد ہونے پر جو پابندی تھی وہ اٹھا لی گئی۔ فلسطین ساتویں صدی تک رومی (بازنطینی) مقبوضہ رہا۔ کچھ عرصے کے لیے جومختصر تھا فارسیوں نے اس خطے کو فتح کر لیا تھا لیکن بعدازاں بازنطینوں نے اسے فتح کر لیا تھا۔

فلسطین کی تاریخ میں ایک اہم موڑ 637ھ میں آیا جب اسے اسلامی افواج نے فتح کر لیا تھا۔ اب فلسطین میں ایک نئے امن وسلامتی کا دور شروع ہوا تھا جہاں صدیوں تک جنگیں جاری رہ چکی تھیں اور جلا وطنی، قتل و غارت اور لوٹ مار کا دور دورہ رہا تھا۔ جب بھی یہاں انتقالِ اقتدار ہوتا ظلم و زیادتی میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی ایک ایسے عہد کا آغاز ہوا تھا۔ جب مختلف عقائد کے لوگ امن وسلامتی سے مل جل کر رہ سکتے تھے۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ دوم نے فلسطین فتح کر لیا تھا۔ خلیفہ وقت جب یروشلم میں داخل ہوئے تو مختلف عقائد کے لوگوں نے امن وسلامتی، رواداری، کے ساتھ رہنا شروع کر دیا تھا۔ یہ ایک سنہری دور کا آغاز تھا۔ برطانوی مؤرخ اور مشرق وسطیٰ پر لکھنے والی ماہر کیرن آرمسٹرانگ نے اپنی کتاب "مقدس جنگ" (ہولی وار) میں فتح یروشلم کا ذکر یوں کیا ہے:

> خلیفہ وقت حضرت عمرؓ جب سفید اونٹ پر سوار یروشلم میں داخل ہوئے تو شہر کا مجسٹریٹ آپ کے ہمراہ تھا۔

خلیفہ وقت نے فرمایا کہ انہیں فوراً اس معبد تک لے جایا جائے وہاں پہنچ کر آپ اس مقام پر سجدے میں گر گئے تھے جہاں سے رسول خدا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کا سفر شروع کیا تھا۔ مجسٹریٹ خوفزدہ ہو کر آپ کو دیکھ رہا تھا۔ یہ ضرور حضرت دانیال کی پیش گوئی پوری ہو رہی تھی۔ پھر حضرت عمرؓ نے مسیحی مقبرے دیکھنے کی خواہش کی۔ آپ ابھی ایک گرجا دیکھ ہی رہے تھے کہ آپ کی نماز کا وقت ہو گیا۔ مجسٹریٹ نے نہایت ادب سے گزارش کی کہ آپ جہاں تھے وہیں نماز ادا کر لیں لیکن خلیفۂ وقت نے انکار کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا اگر میں نے یہاں نماز پڑھی تو مسلمان اس واقعہ کی یاد میں یہاں مسجد کھڑی کر دیں گے یوں یہ گرجا مسمار ہو جائے گا۔ آپ نے گرجے سے کچھ دور جا کر نماز ادا کی جہاں خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ کے نام پر ایک مسجد آج بھی نظر آتی ہے۔

دوسری بڑی مسجدِ عمرؓ مسلمانوں کی فتح کی یادگار کے طور پر اس مسجد الاقصیٰ کے قریب تعمیر کی گئی تھی۔ جہاں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب اپنا سفر شروع کیا تھا۔ کئی برسوں تک عیسائیوں نے اس جگہ کو یہودیوں کے تباہ شدہ معبد کی جگہ شہر کے کوڑے کرکٹ کے ساتھ استعمال کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کی مدد کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے یہ کوڑا کرکٹ صاف کر دیا تھا۔ یہاں مسلمانوں نے دو مقبرے تعمیر کیے تاکہ اسلامی دنیا کے اس تیسرے نہایت مقدس شہر میں اسلام کا بول بالا دکھائی دے۔

مسلمانوں کی فتح یروشلم کے بعد یہ شہر ایک امن وسکون کا ایسا گہوارہ بن گیا تھا جہاں تین مذاہب کے ماننے والے پرسکون زندگی

گزار سکتے تھے۔

جان ایل ایسپوزیٹو کہتا ہے:

جب 638ھ میں عرب افواج نے یروشلم فتح کیا تو ایک مرکز ان کے ہاتھ آ گیا تھا۔ جہاں کے مقبروں نے اسے زائرین کا شہر بنا دیا تھا۔ گرجوں اور عیسائی آبادی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جاتا تھا۔ یہودی جنہیں یہاں آباد ہونے سے عرصہ ہوا عیسائی فرمانرواؤں نے روک دیا گیا تھا۔ انہیں پھر سے واپس آ کر یہاں آباد ہونے اور حضرت سلیمانؑ و حضرت داؤدؑ کے شہر میں عبادت کی اجازت مل گئی تھی۔

اسلامی حکومت میں مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کو یروشلم میں امن وسکون سے مل جل کر رہنے کی اجازت تھی۔

جب حضرت عمرؓ یروشلم میں داخل ہوئے تو آپ نے رئیس شہر سے درج ذیل معاہدے پر دستخط کیے:

عمرؓ جو خدا کا غلام ہے اور مومنین کا کمانڈر ہے اس شہر کے لوگوں کو تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ سب کو خواہ وہ بیمار ہوں یا صحت مند ان کی زندگی کے تحفظ کا یقین دلاتا ہے۔ ان کی املاک، گرجوں، صلیب اور ان کی تمام مذہبی چیزوں کو تحفظ ملے گا۔ ان کے گرجے نہ گرائے جائیں گے نہ ان کو رہائشی گھروں میں تبدیل کیا جائے گا۔ ان پر کوئی مذہبی دباؤ یا جبر نہیں ہوگا نہ ان میں سے کسی کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا۔ ان میں اور ان کے لواحقین میں کوئی تخفیف نہیں کی جائے گی۔

المختصر یہ کہ مسلمان یروشلم اور پورے فلسطین میں ایک تہذیب ساتھ لائے تھے۔ ان عقائد کے برعکس جن میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کی مقدس اقدار کا احترام نہیں کیا جاتا اور محض عقیدے یا مذہب کے مختلف ہونے کی بنا پر انہیں قتل کر دیا جاتا ہے۔ اب یہاں عدل ، رواداری اور معتدل کلچر کی حکمرانی تھی۔ حضرت عمرؓ نے جب اسے فتح کر لیا تو مسلمانوں،عیسائیوں اور یہودیوں نے مل جل کر امن وسکون سے رہنا شروع کر دیا تھا۔ مسلمانوں نے کبھی دوسرے مذاہب کے لوگوں کو جبراً تبدیلی مذہب پر مجبور نہیں کیا۔ البتہ جب کچھ غیر مسلموں نے دیکھا کہ اسلام ایک سچا دین ہے تو وہ اپنی مرضی سے مسلمان ہو گئے تھے۔

جب تک اس خطے میں مسلمانوں کی حکومت رہی فلسطین میں امن و دوستی کی فضا قائم رہی تاہم گیارہویں صدی کے اختتام پر ایک فاتح قوت باہر سے یہاں داخل ہوئی جس سے یروشلم کی مہذب سرزمین پر بربریت اور ظلم و زیادتی کے بادل چھا گئے تھے۔ ایسا اس سے قبل کبھی نہ ہوا تھا۔ یہ ظالم و سفاک صلیبی تھے۔

صلیبیوں کا ظلم وستم اور سفاکی

جب تینوں مذاہب کے ماننے والے فلسطین میں امن وسکون سے زندگی بسر کر رہے تھے تو یورپ کے عیسائیوں نے صلیبی جنگوں کے آغاز کا منصوبہ بنا لیا تھا۔صلیبیوں نے یروشلم کے مسلمانوں اور یہودیوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا تھا۔

27۔ نومبر 1095ء کو پوپ اربن دوم نے کلرمنٹ کونسل میں لوگوں کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا تو 100,000 افراد پورے یورپ سے فلسطین کی طرف روانہ ہوگئے تھے تاکہ اس مقدس سرزمین کو مسلمانوں سے آزاد کرا لیں۔ ان کی نظریں مشرق کی داستانوی دولت پر بھی تھیں۔ ایک طویل تھکا دینے والے سفر کے بعد جب دور دور تک قتل و خونریزی اور لوٹ مار کی انتہا ہوگئی تو صلیبی افواج 1099ء میں

یروشلم پہنچیں۔ پانچ ہفتوں کے محاصرے کے بعد شہر دشمن کے ہاتھ آ گیا تھا اور صلیبی شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ پھر خون کی جو ندیاں یہاں بہائی گئیں ان کی مثال دنیا میں اور کہیں نہیں ملتی۔ شہر کے تمام مسلمانوں اور یہودیوں کو تلواروں سے گاجر مولی کی طرح کاٹ پھینکا گیا تھا۔

حضرت عمرؓ کے عہد سے فلسطین میں جو امن وامان قائم تھا وہ قتل و غارت اور خونریزی کی نذر ہو گیا تھا۔صلیبیوں نے عیسائیوں کے تمام اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی کی تھی۔ یہ وہی مذہب تھا جسے محبت ، ہمدردی اور رحم دلی کا مذہب تصور کیا جاتا ہے اس نے عیسائیت کے نام پر دہشت گردی کی انتہا کر دی تھی۔

صلاح الدین ایوبی کا عدل و انصاف

ظالم صلیبیوں نے یروشلم کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور ایک ایسی لاطینی حکومت کی بنیاد ڈالی جس کی سرحدیں فلسطین سے شام کے شہر انٹیوک تک پھیلی ہوئی تھیں۔

تاہم وہ ظلم و زیادتی جسے صلیبی فلسطین تک لے آئے تھے زیادہ عرصے تک جاری نہ رہ سکی تھی۔ صلاح الدین ایوبی نے تمام اسلامی ممالک کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر کے جہاد کا اعلان کر دیا تھا۔صلیبیوں کو 1187ء میں حطین کی جنگ میں شکست ہوئی۔ جنگ کے بعد صلیبی فوج کے دو رہنما رینالڈ اور شہنشاہ گائی کو صلاح الدین کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ رینالڈ نے مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کی انتہا کی ہوئی تھی اس لیے اسے تو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا لیکن شہنشاہ گائی کو چھوڑ دیا گیا تھا کیونکہ اس کے خلاف اس قسم کی کوئی شکایت نہ تھی۔فلسطین میں ایک بار پھر عدل و انصاف دیکھنے میں آیا تھا۔

حطین کے فوراً بعد اور عین اسی روز جس دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے سے یروشلم ایک رات میں لایا گیا تھا، جو معراج کا دن تھا، صلاح الدین یروشلم

میں داخل ہوا اور اسے صلیبیوں کے 88 سالہ قبضے سے آزاد کرا لیا تھا۔ جب 88 برس قبل صلیبیوں نے اس شہر پر قبضہ کیا تھا تو انہوں نے اس شہر کے اندر موجود تمام مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ انہیں آج یہی اُمید سلطان صلاح الدین سے تھی کہ وہ بھی ان سے ویسا ہی سلوک کرے گا۔ مگر ایک عیسائی کو بھی شہر بھر میں کسی مسلمان نے ہاتھ تک نہ لگایا۔ تاہم اس نے یہ حکم ضرور دے دیا تھا کہ تمام لاطینی (کیتھولک) عیسائی شہر سے چلے جائیں۔ وہ کٹر عیسائی جو صلیبی نہیں تھے انہیں شہر میں بدستور رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی اور انہیں مذہبی آزادی بھی حاصل تھی۔

جان ایل ایسپوزیٹو لکھتا ہے:

> "مسلم فوج فاتح فوج تھی جس کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر شہریوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا تھا۔ گرجے اور مقبرے بالکل محفوظ تھے۔ صلاح الدین اپنے وعدے پر قائم رہا اور غیر مسلح و غیر فوجیوں کے ساتھ پوری رحم دلی کا سلوک کیا گیا تھا۔

کیرن آرمسٹرانگ نے یروشلم کی دوسری فتح کا ذکر یوں کیا ہے:

> 2۔ اکتوبر 1187ء کو صلاح الدین اور اس کی فوج یروشلم میں بطور فاتح داخل ہوئے پھر آئندہ 800 برسوں تک یروشلم ایک اسلامی شہر رہا۔ صلاح الدین نے اسلامی اصولوں کی پابندی کی۔ اس نے 1099ء کے قتل و خون کا انتقام نہیں لیا جیسا کہ قرآن میں حکم ہے (16:127) اور اب جب دشمنی ختم ہو گئی تھی اس نے قتل و غارت بند کر دی تھی (2:193-194)

ایک عیسائی بھی قتل نہیں کیا گیا تھا نہ لوٹ مار کی گئی تھی۔ بہت کم جزیہ وصول کیا گیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی مختلف خاندانوں کی حالت زار دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا

تھا۔ اس نے بہت سے خاندانوں کو آزاد کر دیا تھا۔ اس کے بھائی عادل نے جب قیدیوں کی بری حالت دیکھی تو اسے بہت دکھ ہوا۔ اس نے صلاح الدین سے ایک ہزار قیدیوں کو اپنے لیے مانگ لیا تھا اور پھر انہیں اسی وقت آزاد کر دیا تھا۔ مسلم رہنماؤں نے ان امیر عیسائیوں کو بھی دیکھا جو اپنی دولت سمیت فرار ہو رہے تھے، یہی دولت تمام قیدیوں کے جزیے کے طور پر وصول کی جا سکتی تھی مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ ایک ہیریکلیس نامی رئیس نے عام قیدیوں کی طرح صرف 10 دینار جزیہ دیا تھا۔ طائر کے مقام تک محفوظ سفر کے لیے اسے خصوصی گارڈ بھی دیئے گئے تھے۔

المختصر یہ کہ صلاح الدین اور اس کے زیرکمان مسلمانوں نے عیسائیوں کے ساتھ بڑی رحم دلی اور عدل کا سلوک کیا اور ان کے ساتھ ان کے اپنے رہنماؤں سے بڑھ کر رحم دلی اور ہمدردی کی۔

مسلمانوں نے جب یروشلم فتح کیا تو نہ صرف عیسائیوں بلکہ یہودیوں کو بھی امن وسلامتی اور تحفظ نصیب ہوا۔ ایک نامور اسپینی یہودی شاعر یہودہ الحریزی نے اپنی شاعری میں اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا ہے:

> خدا نے فیصلہ کیا کہ اب تیسرا شہر مقدس عیسائیوں کے ہاتھ میں نہ رہے۔ چنانچہ 1190ء میں خدا نے صلاح الدین کی روح کو ابھارا جو ایک بہادر اور باہمت انسان تھا۔ وہ اپنی پوری افواج سمیت آیا اور یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ اسے فتح کرنے کے بعد اس نے ملک بھر میں اعلان کیا کہ وہ اسرائیل کی نسل اور لوگوں کو قبول کرے گا۔ خواہ وہ کہیں سے بھی آئیں پھر ہم دنیا کے کونے کونے سے یہاں آ کر آباد ہو گئے اور اب ہم یہاں امن کے سائے تلے رہ رہے ہیں۔

یروشلم کے بعد صلیبیوں نے دوسرے ملکوں میں اپنی بربریت اور مسلمانوں نے فلسطین کے دوسرے شہروں میں عدل و انصاف جاری رکھا۔ 1194ء میں رچرڈ شیر دل نے جو برطانوی تاریخ میں ہیرو مانا جاتا ہے، قلعہ ایکر میں 3000 مسلمانوں کو جن میں زیادہ تر عورتیں اور بچے تھے بے رحمی سے قتل کر دیا تھا۔ مسلمانوں پر اس قسم کے مظالم ہوتے رہے لیکن انہوں نے انتقامی طور پر ایسا کبھی نہیں کیا۔ انہوں نے ہمیشہ خدا کے حکم کی تعمیل کی:

''.....جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گزر جاؤ..........''
(المائدہ۔5:2)

مسلمانوں نے معصوم انسانوں پر کبھی ظلم نہیں کیا۔ جن صلیبی فوجوں کو شکست دی ان پر بھی ظلم نہ کیا۔

شہنشاہ رچرڈ نے قلعہ ایکر کے اندر 3000 مسلمان شہریوں کو جن میں زیادہ تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا تھا۔

صلیبیوں کی بربریت اور مسلمانوں کے عدل و انصاف کی تاریخی سچائی ایک بار پھر سامنے آئی تھی۔ اسلام کے اصولوں پر چلنے والے ایک حکومتی نظام میں مختلف مذاہب کے لوگوں کو مل جل کر زندگی گزارنے کی آزادی حاصل تھی۔ صلاح الدین کے بعد سات سو برس تک یہ حقیقت زندہ رہی خصوصاً سلطنتِ عثمانیہ میں۔

سلطنت عثمانیہ کا عدل اور رواداری

سلطان سلیم نے 1514ء میں یروشلم اور نواحی علاقہ فتح کر لیا تھا۔ یوں فلسطین میں عثمانیہ عہد حکومت کے 400 سالہ دور کا آغاز ہوا۔ جیسا کہ عثمانیہ اقتدار

کے وقت دوسری ریاستوں میں تھا، فلسطین میں بھی امن و استحکام تھا اور مختلف مذاہب وعقائد کے لوگ اکٹھے رہتے تھے۔

سلطنت عثمانیہ جس نظام پر چل رہی تھی اسے ''نظام ملت'' کہا جاتا تھا۔ اس میں بنیادی بات یہ تھی کہ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو اپنے عقائد کی آزادی کے ساتھ ادائیگی کی اجازت تھی۔ عیسائی اور یہودی جنہیں قرآن میں اہل کتاب کہا گیا ہے انہیں سلطنت عثمانیہ میں رواداری، تحفظ اور آزادی کے ساتھ رہنے کی اجازت تھی۔ یہ اپنے اپنے مذہب او قانونی نظام پر عمل کرتے تھے اور مسلمان فرمانروا کی طرف سے ان پر کسی قسم کا کوئی جبر نہ تھا۔

اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ گو سلطنتِ عثمانیہ ایک اسلامی ریاست تھی جہاں مسلم فرمانروا حکمران تھے مگر اسے بالکل یہ خواہش نہ تھی کہ شہریوں کو جبراً اسلام لانے پر مجبور کرے۔ اس کے برعکس سلطنت عثمانیہ نے ہمیشہ یہ چاہا کہ غیر مسلموں کو امن و سلامتی اور تحفظ بخشے اور ان پر اس طرح حکومت کرے کہ وہ اسلامی حکومت اور اس کے عدل و انصاف سے مطمئن رہیں۔

اس زمانے میں دوسری ریاستوں میں ظلم و زیادتی اور عدم رواداری سے حکومت کی جاتی تھی۔ اسپین کی حکومت کو یہ بات بالکل پسند نہ تھی کہ جزیرہ نما اسپین میں مسلمان اور یہودی آرام سے زندگی گزاریں۔ ان دونوں مذاہب کے ماننے والوں پر ظلم و زیادتی کی جاتی تھی۔ بہت سے دوسرے یورپی ممالک میں یہودیوں پر محض اس لیے ظلم کیا جاتا تھا کہ وہ یہودی تھے (مثلاً انہیں یہودی اقلیتی محلوں میں قید کر دیا جاتا تھا۔ اور کبھی کبھی انہیں قتل کر دیا جاتا تھا۔)

عیسائی تو آپس میں مل جل کر نہ رہ سکتے تھے۔ سولہویں اور سترھویں صدی میں پروٹسٹنٹ اور کیتھولک آپس میں لڑتے رہتے تھے جس کی وجہ سے یورپ خون میں نہلا دیا گیا تھا۔ 1618ء اور 1648ء کے درمیان جو 30 سالہ جنگ ہوئی وہ اسی

کیتھولک پروٹسٹنٹ تصادم کے نتیجے میں لڑی گئی تھی۔ اس جنگ کے نتیجے میں مرکزی یورپ میدان جنگ بن گیا تھا اور صرف جرمنی میں 15 ملین لوگ مارے گئے تھے۔

ایسے ماحول میں یہ ایک اہم متفقہ سچائی ہے کہ سلطنت عثمانیہ میں انسانوں سے بڑا رحمدلی کا سلوک کیا جاتا تھا۔

بہت سے مؤرخین اور سیاسی سائنسدانوں نے اس حقیقت کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے ان میں سے ایک کولمبیا یونیورسٹی کے عالمی شہرت یافتہ مشرقِ وسطیٰ کے ماہر پروفیسر ایڈورڈ سعید ہیں۔ ان کا تعلق بنیادی طور پر یروشلم کے عیسائی خاندان سے ہے اور وہ اپنے وطن سے دور امریکی جامعات میں اپنی تحقیق جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ایک اسرائیلی اخبار کو انٹرویو دیتے وقت انہوں نے ''عثمانیہ نظام ملت'' کی سفارش کی تھی تاکہ مشرق وسطیٰ میں مستقل طور پر امن قائم کیا جا سکے۔ انہوں نے جو کہا وہ یہ تھا:

> یہودی اقلیت اسی طرح زندہ رہ سکتی ہے جس طرح عرب میں اقلیتیں زندہ ہیں بلکہ سلطنت عثمانیہ کے دورِ حکومت میں یہ تجربہ بہت کامیاب رہا جہاں نظام ملت رائج تھا۔ ہماری آج کی نسبت ان کے دور میں انسانی اقدار کہیں زیادہ تھیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ صرف ایک ہی نظام عقیدہ ایسا ہے جس میں ایک عادلانہ اور ہمدرد طرزِ حکومت مشرق وسطیٰ میں دی جا سکتی ہے۔ اس خطے سے جب سلطنتِ عثمانیہ کا دور ختم ہوا تو پھر اس کا نعم البدل نہ مل سکا۔

اسی وجہ سے مشرق وسطیٰ میں امن لانے کے لیے وہ عثمانیہ عہد کا ماڈل لانا ہوگا جس میں رواداری، مصالحت موجود تھی، جو قرآن کی دو بنیادی تعلیمات ہیں۔

اگر صحیح معنوں میں اسلام کی پیروی کی جائے تو یہ ہر قسم کے ظلم، تصادم، جنگ و جدل اور دہشت گردی کا حل ہے اور جو امن وسلامتی، عدل و انصاف اور رواداری کی ضمانت ہے۔

''..............اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔''

(آلِ عمران۔ 3:30)

❖.....❖.....❖

دہشت گردی کی اصل جڑیں:
ڈارونیت اور مادہ پرستی

زیادہ تر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نظریۂ ارتقاء سب سے پہلے چارلس ڈارون نے پیش کیا تھا اور اس کی بنیاد سائنسی شہادت، مشاہدات اور تجربات پر ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ ڈارون اس کا بانی یا خالق نہیں تھا نہ ہی یہ نظریہ کسی سائنسی ثبوت پر کھڑا ہے۔ یہ نظریہ مادہ پرستی کے قدیم اصول سے اخذ کیا گیا ہے۔ سائنسی دریافتوں نے اس کی حمایت نہیں کی مگر نظریۂ ارتقاء کی نظریہ مادہ پرستی کے نام پر اندھا دھند حمایت کی گئی ہے۔ (دیکھئے ہارون یحییٰ کی کتاب نظریۂ ارتقاء۔ طٰہٰ پبلشرز 1999ء)

کٹرپن نے ہر قسم کی تباہ کاریوں کو جنم دیا ہے۔ ڈارونیت اور مادہ

پرستی کے فروغ کے ساتھ جس کی یہ حمایت کرتا ہے اس سوال کا جواب کہ ''انسان کیا ہے'' تبدیل ہو گیا ہے۔ وہ لوگ جو یہ جواب دیا کرتے تھے کہ ''انسانوں کو خدا نے تخلیق کیا تھا اور جو حسنِ اخلاق کے اصول اس ذات نے سکھائے ہیں ان کے مطابق انہیں زندگی گزارنی ہوتی ہے''۔ انہوں نے اب یہ سوچنا شروع کر دیا ہے کہ ''انسان اتفاق سے وجود میں آ گیا تھا۔ یہ ایک ایسا جانور ہے جس نے اپنی بقا کے لیے لڑتے ہوئے اپنے اندر تبدیلی پیدا کر لی ہے۔''

اس پرفریب تصور کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ ظلم و بربریت پر مشتمل نظریات مثلاً نسل پرستی، فاشزم اور کمیونزم اور دیگر بہت سے نظریات جن کی بنیاد ہی تصادم پر ہے، ان سب کو اس فریب سے قوت حاصل ہوئی ہے۔

کتاب کے اس حصے میں ہم ڈارونیت کی پھیلائی ہوئی اس تباہی و بربادی کا جائزہ لیں گے جس نے دنیا کو گھیر رکھا ہے۔ اس کا تعلق دہشت گردی کے ساتھ جڑا ہوا ہے، جو ہمارے اس دور میں عالمی اہمیت کا مسئلہ بنا ہوا ہے۔

ڈارونی جھوٹ: ''زندگی تصادم ہے؟''

ڈارون نے جب اپنا نظریہ پیش کیا تو اس کی تمہید میں صرف ایک بنیادی نقطہ تھا: جاندار چیزوں کی ترقی اور نشوونما بقائے حیات کے لیے لڑنے پر منحصر ہے۔ اس میں جو مضبوط تر اور زیادہ طاقتور ہوتا ہے وہ جیت جاتا ہے۔ کمزوروں کے حصے میں شکست و ملامت آتی ہے۔

ڈارون کے نظریے کے مطابق بقائے حیات کے لیے حریفانہ جنگ کرنی پڑتی ہے اور نیچر میں موجود دائمی تصادم اسے مدد دیتا ہے۔ طاقتور کمزور پر ہمیشہ غالب آتا

ہے۔ یوں ترقی او رنشوونما کا عمل جاری رہتا ہے۔ اس کی کتاب ''جاندار وں کی ابتداء'' کا ذیلی عنوان تھا:

''جانداروں کی بذریعہ قدرتی انتخاب یا زندہ رہنے کی جدوجہد میں منظور نظر نسلوں کو محفوظ کرنا''۔

مزید یہ کہ ڈارون نے یہ بھی تجویز کیا کہ ''بقائے حیات کے لیے لڑائی'' میں انسانی نسلی گروہ بھی آپس میں برسرپیکار ہوتے ہیں۔ جو دیو مالائی دعویٰ پیش کیا گیا ہے اس میں منظور نظر نسلیں اس جنگ میں جیت گئی تھیں۔ ڈارون کے خیال میں یہ منظور نظر نسلیں سفید فام یورپی تھیں۔ جبکہ بقائے حیات میں افریقی یا ایشیائی نسلیں پیچھے رہ گئی تھیں۔ ڈارون نے مزید انکشاف کیا کہ یہ نسلیں جلد اس جدوجہد میں مکمل طور پر شکست کھا جائیں گی اور یوں صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گی:

مستقبل کے کسی زمانے میں جو زیادہ دور نہیں ہے انسان کی مہذب نسلیں تقریباً مٹ جائیں گی اور دنیا بھر میں ان کی جگہ ظالم و سفاک نسلیں لے لیں گی۔ اس وقت انسانی شکل کے بوزنے بھی دنیا سے مٹ جائیں گے۔ انسان اور اس کی شکل کے جانوروں میں انقطاع وسیع ہو جائے گا کیونکہ یہ بڑے مہذبانہ طریقے سے انسان کے درمیان مداخلت کریں گے، قفقازی سے بھی زیادہ اور کچھ بوزنے بابون سے نیچے چلے جائیں گے۔ جس طرح آج نیگرو یا آسٹریلیائی اور گوریلا ہیں۔

ایک بھارتی ماہر علم بشریات لالیتا ودیارتھی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ڈارون کے نظریۂ ارتقاء نے سماجی سائنسی علوم پر نسل پرستی کے اثرات ڈالے ہیں:

ڈارون کا نظریۂ بقائے طاقتور کو اپنے زمانے کے سماجی سائنس دانوں نے

بہت سراہا اور خوش آمدید کہا۔ ان کا خیال تھا کہ انسان نے کافی حد تک ارتقائی سفر طے کر لیا ہے جو سفید فام انسانوں کی تہذیب میں دیکھا جا سکتا تھا۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں مغربی سائنس دانوں کی اکثریت نے نظریۂ نسل پرستی کو قبول کر لیا تھا۔

ڈارون کو تحریک کہاں سے ملی: مالتھیوس کا نظریۂ سنگدلی و بے رحمی

اس موضوع پر ڈارون کو تحریک برطانوی معاشیات دان تھامس مالتھیوس کی کتاب ''آبادی کے اصول پر ایک مضمون'' سے ملی تھی۔ مالتھیوس نے حساب لگایا تھا کہ انسانی آبادی بہت تیزی سے پھیلی تھی۔ اس کے خیال میں تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنے اور کنٹرول میں رکھنے کے لیے جنگیں، قحط، بیماریاں اور دیگر تباہ کاریاں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اس ظالمانہ دعوے کے مطابق کچھ لوگوں کو مرنا ہی ہوتا ہے تاکہ دوسرے زندہ رہ سکیں۔ گویا زندگی کا انحصار مستقل جنگ و جدل پر تھا۔

انیسویں صدی میں مالتھیوس کے نظریات کو وسیع پیمانے پر قبول کر لیا گیا تھا۔ بالخصوص یورپ کے بالائی طبقے نے اس کے ظالمانہ تصورات کو سراہا تھا۔ جیری برگ مین نے اپنے مضمون ''نازیوں کے نسلی صفائی کے پروگرام کے پس منظر'' میں لکھا ہے کہ انیسویں صدی کے یورپیوں نے مالتھیوس کی آبادی سے متعلق خیالات کو جو اہمیت دی وہ کچھ یوں تھی:

تھامس مالتھیوس

انیسویں صدی کے اول نصف میں یورپ بھر میں صاحبانِ اقتدار ایک جگہ جمع ہوئے تاکہ نئے دریافت شدہ ''مسئلہ آبادی'' پر بحث کی جا سکے اور مالتھیوس کے

نظریے کو نافذ کرنے کے طریقے اختیار کیے جائیں اور غریبوں کی شرح اموات میں اضافہ کیا جا سکے۔ بجائے اس کے کہ غریبوں کے لیے صفائی کی اہمیت پر زور دیا جائے ہمیں اس کے برعکس عادات کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ ہمیں اپنے شہروں اور قصبوں میں گلیاں اور تنگ کر دینی چاہئیں، گھروں میں لوگوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے اور طاعون کے دوبارہ پھیلنے کے امکانات روشن کرنے چاہئیں۔ کھڑے ہوئے گندے پانی کے جوہڑوں کے کنارے ہمارے دیہات بسائے جائیں اور خاص طور پر آبادیاں ان علاقوں میں ہوں جو صحت کے لیے ضرررساں ماحول فراہم کرتے ہیں۔

اس ظالمانہ پالیسی کے نتیجے میں کمزور اور وہ لوگ جنہوں نے بقائے حیات کی جدوجہد میں شکست کھالی تھی ختم ہو جائیں گے۔ یوں آبادی کی تیزی میں اعتدال آ جائے گا۔

انیسویں صدی میں جب مالتھوس کے نظریۂ جدوجہد برائے بقائے حیات کو نافذ کیا گیا تو انگلستان کے بے یار و مددگار اور غریب بچوں کو بڑی اذیتوں سے گزرنا پڑا تھا۔ مذہب تاہم بچوں کو تحفظ دینے کی ضمانت دیتا ہے۔ ایک اچھائی اور نیکی کی زندگی جس میں کوئی مصیبت نہ ہو صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب مذہب کی اخلاقی تعلیم پر عمل کیا جائے۔

''غرباء پر ظلم'' کی یہ پالیسی دراصل انیسویں صدی میں برطانیہ نے جاری رکھی تھی۔ ایک ایسا صنعتی نظام تشکیل دیا گیا تھا جس میں آٹھ نو برس کے بچوں سے کوئلے کی کانوں میں 16 گھنٹے یومیہ کام لیا جاتا تھا۔ اس طرح ہزاروں بچے موت کا شکار ہو گئے تھے۔ مالتھوس کے نظریۂ جدوجہد برائے بقائے حیات کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کئی ملین برطانوی بڑی اذیت ناک زندگی گزار رہے تھے۔

ان خیالات سے متاثر ہو کر ڈارون نے اس نظریہ کو نیچر کے تصادم کے تصور

سے جا ملایا تھا۔ اس کے خیال میں زندہ رہنے کے لیے بڑی لڑی جانے والی اس جنگ میں صرف مضبوط اور طاقتور فتح پائیں گے۔ اس نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ بقائے حیات کی یہ جدوجہد انصاف کے تقاضے پورے کرتی تھی اور یہ نیچر کا ناقابلِ تبدل قانون تھا۔ دوسری طرف یوں ان تمام اخلاقی قدروں کی نفی ہو جاتی تھی جو زندہ رہنے کی جدوجہد کے راستے کے ظلم و زیادتی کے لیے رکاوٹ بن سکتی تھی۔

بیسویں صدی میں ان ظالمانہ نظریات کے پھیلنے کی انسانیت نے بڑی بھاری قیمت ادا کی ہے جو انسانوں کو سفاکی و بربریت کی طرف لے گئے تھے۔

جنگِ عظیم اوّل کے لیے زمین ہموار کرنے میں ڈارونیت کا کردار

ڈارونیت نے یورپی کلچر پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ یوں بقائے حیات کی جدوجہد کے اثرات سامنے آنے شروع ہو گئے تھے۔ نو آبادیاتی یورپی اقوام نے خاص طور پر ان اقوام کی تصویر کشی شروع کر دی تھی جنہیں انہوں نے اپنی نو آبادیات میں شامل کیا تھا۔ ان اقوام کو ''ارتقاء کے عمل سے گزرتی ہوئی پسماندہ اقوام'' کہا گیا تھا اور اس کے جواز کے لیے ڈارونیت کا سہارا لیا گیا تھا۔

ڈارونیت کا نہایت خونی سیاسی اثر 1914ء کی پہلی جنگِ عظیم کے آغاز کی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔

تاریخ کا ایک مشہور برطانوی پروفیسر جیمز جول اپنی کتاب ''یورپ 1870ء میں'' لکھتا ہے کہ جنگِ عظیم کے لیے زمین تیار کرنے میں جو عناصر سرگرم عمل تھے ان میں سے ایک یورپی حکمرانوں کا ڈارونیت پر یقین تھا۔

''..............جنگِ عظیم اوّل سے قبل کے برسوں میں یورپی رہنماؤں نے بقائے حیات کی جدوجہد اور طاقتور ترین لوگوں کے زندہ رہ سکنے کے نظریے جس طرح قبول کیا، اس سے اس جنگ کے آغاز میں بڑی مدد ملی

تھی۔ مثال کے طور پر Franz Baron Conrad Von Hoetzen Dorff جنگ کے بعد اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:

> انسان دوست مذاہب، اخلاقی تعلیمات اور فلسفیانہ قوانین بعض اوقات یقیناً کمزور انسانوں کی جدوجہد برائے بقائے حیات میں مدد دیتے ہیں مگر یہ اسے دنیا سے ختم کرنے میں ایک تحریک کے طور پر کامیاب نہیں ہوسکتے۔ یہ اسی عظیم اصول کے مطابق ہوا کہ ریاستوں اور ان میں بسنے والے انسانوں کی کوششوں کے نتیجے میں جنگ عظیم اوّل کا آغاز ہوا۔ گویا یہ ایک بادوباراں کا طوفان تھا جس نے اپنی فطرت کے مطابق اپنا کام کر دکھایا تھا۔

اس نظریاتی پس منظر کو دیکھتے ہوئے کانرڈ نے جنگ سے بچنے کے لیے کیے جانے والے اقدامات پر زور دیا تھا۔

ہم نے بھی دیکھا کہ یہ خیالات صرف عسکری اعداد و شمار تک محدود نہ تھے اور میکس ویبر مثال کے طور پر بین الاقوامی جدوجہد برائے بقائے حیات کے لیے کس قدر سنجیدگی کے ساتھ فکر مند تھا۔ جرمن چانسلر تھیوبل فان بتھمن ہالویگ کے پرسنل اسسٹنٹ اور معتمد کرٹ ریزلر نے 1914ء میں لکھا:

اقوام کے درمیان پائے جانے والے رشتہ وتعلق میں دائمی اور مطلق دشمنی پیدائشی طور پر پائی جاتی ہے، جو دشمنی ہمیں ہر جگہ نظر آتی ہے وہ انسانی فطرت کے بگاڑ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ تو دنیا کا نچوڑ اور خود زندگی کا منبع ہے۔

جنگ عظیم اول کے ایک جرنیل ایف وی برن ہارڈی نے بھی جنگ اور فطرت کے قوانین جنگ کے درمیان اسی قسم کے تعلق کا ذکر کیا ہے۔ اس کے خیال میں "جنگ" "ایک حیاتیاتی ضرورت ہے"۔ یہ اسی قدر ضروری ہے جس قدر ضروری

"فطرت کے عناصر کی جدوجہد" ضروری ہے۔ یہ ایک حیاتیاتی صحیح فیصلہ کرتی ہے کیونکہ اس کے فیصلوں کا انحصار چیزوں کی فطرت پر ہوتا ہے۔

بیسویں صدی کے پہلے عشرے کے یورپی فلسفیوں اور رہنماؤں پر ڈاروِن کے "جدوجہد برائے بقائے حیات" کا گہرا اثر تھا۔ اس کے نتیجے میں انہوں نے جنگ عظیم اوّل شروع کر دی تھی جس میں دس ملین انسانی جانیں موت کے منہ میں چلی گئی تھیں۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جنگ عظیم اول یورپی مفکرین، بانیوں اور رہنماؤں کی وجہ سے شروع ہوئی جنہوں نے جنگ و جدل، خونریزی اور انسانی عذاب کو ترقی اور نشوونما کی قسم سمجھا۔ وہ انہیں ناقابل تبدیلی قانون فطرت سمجھتے تھے۔ وہ نظریاتی سرچشمہ جو اس ساری نسل کو تباہی کی طرف لے گیا وہ سوائے ڈارون کے نظریات "جدوجہد برائے بقائے حیات" اور "منظور نظر نسلیں" کے اور کچھ نہ تھا۔

جنگ عظیم اول ختم ہوئی تو اپنے پیچھے 8 ملین انسانی لاشیں، سینکڑوں تباہ شدہ شہر، کئی ملین زخمی، معذور، بے گھر اور بے روزگار انسان چھوڑ گئی تھی۔

دوسری جنگ عظیم جو 21 برس بعد چھڑی تھی اور اپنے پیچھے 55 ملین انسانی لاشیں چھوڑ گئی تھی اس کی اصل وجہ بھی ڈارونیت تھی۔

جنگل کا قانون کہاں لے گیا: فاشزم؟

انیسویں صدی میں ڈارونیت نے نسل پرستی کی آبیاری کی تھی اس نے ایک ایسے نظریے کی بنیاد ڈالی تھی جس نے بیسویں صدی میں دُنیا کو خون میں نہلا دیا تھا، اس کا نام تھا "نازی ازم"۔

نازی نظریات میں ڈارونیت کا ایک گہرا اثر دکھائی دیتا ہے جب ہم اس نظریے کا جائزہ لیتے ہیں جسے ہٹلر نے اور روزنبرگ نے ایک شکل دی تھی۔

فاشزم ایک ایسا نظریہ ہے جس کی تہ میں ڈارونی نظریات موجود ہیں۔ اس سے کئی ملین معصوم انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔ اس بھیانک نظریے نے دنیا کے بہت سے ممالک کو تباہی و بربادی کے ایک بھنور کی طرف کھینچ لیا تھا۔

تو اس قسم کے تصورات سامنے آتے ہیں مثلاً ''فطری انتخاب'' ''''انتخابی جُفتی (Selective Mating) اور ''نسلوں کے درمیان جدوجہد برائے بقائے حیات'' جنہیں ڈارون کی تصنیفات میں درجنوں مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ جب ہمیں اس کی کتاب ''میری جدوجہد (Mein Kampf) یاد آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہٹلر ڈارونی جدوجہد برائے بقائے حیات اور اس اصول سے بے حد متاثر تھا کہ فتح صرف ان کے حصے میں آتی ہے جو سب سے زیادہ فِٹ (طاقتور) ہوتے ہیں۔ وہ خاص طور پر نسلوں کے درمیان جدوجہد کی بات کرتا ہے:

تاریخ ایک نئی ہزار سالہ بے مثال سلطنت کو اپنے عروج پر دکھائے گی۔ اس کی بنیاد اس نسلی منطقی ترتیب پر ہوگی جسے فطرت نے خود قائم کیا ہوگا۔

یہ 1933ء کی بات ہے جب پارٹی کے ایک اجتماع میں ہٹلر نے اعلان کیا تھا کہ ''ایک بلند تر نسل اپنے زیراثر ایک کم تر نسل کو رکھتی ہے..... یہ وہ حق ہے جو ہم فطرت میں دیکھتے ہیں اور جسے ایک واحد قابل فہم حق سمجھا جاتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ نازیوں پر ڈارونیت کا بڑا اثر تھا اور وہ تمام مؤرخین جو اس معاملے میں ماہر ہیں اسے تسلیم کرتے ہیں۔ پیٹر کرسپ جو ''فاشزم کا کمال'' نامی کتاب کا مصنف ہے اس حقیقت کا اظہار یوں کرتا ہے:

چارلس ڈارون کا یہ نظریہ کہ انسان نے موجودہ شکل بوزنے سے حاصل کی تھی جب پہلی بار شائع ہوا تو اس کا بڑا مذاق اڑایا گیا تھا مگر بعد میں اسے وسیع طور پر قبول کر لیا گیا تھا۔ نازیوں نے ڈارون کے نظریات کو مسخ کر کے جنگ و جدل اور نسل پرستی کو

درست قرار دیا تھا۔

ایک مؤرخ ہکمین نے ہٹلر پر ڈارونیت کے اثر کا اظہار یوں کیا ہے:

ہٹلر ارتقاء پر پختہ یقین رکھنے والا اور اس کا مبلغ تھا۔

جنگ عظیم اوّل میں 55 ملین انسان موت کے گھاٹ اتارے گئے تھے۔ بہت سے زخمی اور بے گھر ہوئے اس جنگ نے آباد شہروں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا تھا اور کئی ممالک کی اقتصادیات بحران کا شکار ہوگئی تھی۔

اس کے دماغی عارضے کی جو بھی گہری پیچیدگیاں ہوں یہ حقیقت ہے (جدوجہد کا نظریہ اس لیے اہم تھا کیونکہ) کہ اس کی کتاب ''میری جدوجہد'' (Mein Kampf) میں کئی نظریات ارتقاء کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ بالخصوص وہ جن میں جدوجہد برائے بقائے حیات، قوی ترین کے لیے بقائے حیات اور غرباء کو معاشرے سے خارج کر دینے کا نظریہ تاکہ ایک بہتر معاشرہ تشکیل دیا جا سکے۔

ہٹلر جو یہ نظریات لے کر سامنے آیا تھا، دنیا کو اس ظلم و بربریت کی طرف کھینچ لایا تھا جو اس سے قبل دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ بہت سے نسلی اور سیاسی گروہ اور خصوصاً یہودیوں پر بہت مظالم کیے گئے تھے، انہیں نازی کیمپوں میں قتل کیا گیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم جو نازی حملے سے شروع ہوئی تھی اس میں 55 ملین انسانی جانیں لقمۂ اجل بنی تھیں۔ اس بڑے سانحہ کے پیچھے تاریخ عالم میں ڈارونیت کا نظریہ ''جدوجہد برائے بقائے حیات'' تھا۔

ایک خونی اتحاد: ڈارونیت اور کمیونزم

فاشسٹ سماجی ڈارونیت کے حامل دائیں بازو والے ہوتے ہیں اور کمیونسٹ

بائیں بازو والے۔ کمیونسٹوں نے ڈارون کے نظریے کا ہمیشہ سے پورا پورا دفاع کیا ہے۔

ڈارونیت اور کمیونزم کے درمیان پایا جانے والا رشتہ دونوں ''ازمز''(ISMS) کے بانیوں تک جا پہنچتا ہے۔ مارکس اور اینگلز جو کمیونزم کے بانی تھے، انہوں نے ڈارون کی کتاب ''جانداروں کی ابتداء'' کا مطالعہ اسی وقت کر لیا تھا جب یہ شائع ہوئی تھی۔ وہ اس کے جدلیاتی مادّہ پرستانہ نقطۂ نظر پر بہت حیران تھے۔ مارکس اور اینگلز کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے ڈارون کے نظریے کو ''کمیونزم میں فطری تاریخ کی بنیاد کے طور پر دیکھا تھا۔'' اس کی کتاب ''فطرت کی جدلیات'' جو اس نے ڈارون کے زیر اثر لکھی، اینگلز نے ڈارون کی بڑی تعریف کی ہے اور ایک باب میں جس کا عنوان تھا ''بوزنے سے آدمی بننے تک میں محنت و مشقت کا کردار''، اس نے اس نظریے سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

روسی کمیونسٹ جنہوں نے مارکس اینگلز لینن، ٹروٹسکی، سٹالن، اور پلیخونوو (Plekhanov) کی پیروی کی، سب نے ڈارون کے نظریۂ ارتقا سے اتفاق کیا ہے۔ پلیخونوو نے جسے روسی کمیونزم کا بانی سمجھا جاتا ہے، مارکسزم کو ''سماجی سائنس میں ڈارونیت کا استعمال'' تصور کیا ہے۔''

> وہ کمیونسٹ رہنما جن کے انسانی معاشرے کے بارے میں تصورات ڈارونیت پر مبنی تھے۔ یہ تاریخ میں اس حوالے سے یاد رہیں گے کہ ان کی ظالمانہ پالیسیوں نے انسانوں کو بڑے عذاب دیئے۔

ٹروٹسکی نے کہا: ''نامیاتی مادے کے پورے میدان میں ڈارون کی دریافت ہدایات میں سب سے بڑی کامیابی ہے۔

کمیونسٹ عسکری تنظیموں کی تشکیل میں ڈارونی تعلیم نے بڑا کردار ادا کیا ہے۔ مثال کے طور پر مؤرخین اس حقیقت کو ریکارڈ پر لائے ہیں کہ سٹالن جوانی میں مذہبی انسان تھا لیکن بعد میں ڈارون کی کتب کے مطالعہ کی وجہ ملحد ہو گیا تھا۔

ماؤزے تنگ، جس نے چین میں کمیونسٹ حکومت قائم کی تھی اور کئی ملین انسانوں کو مار ڈالا تھا، کھل کر اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''چین کے سوشلزم کی بنیاد ڈارون اور اس کے نظریۂ ارتقاء پر رکھی گئی ہے'' ہارورڈ یونیورسٹی کے تاریخ دان جیمز ریو پُو سے نے ماؤ اور چینی کمیونزم پر ڈارونیت کے اثرات پر اپنی کتاب ''چین اور چارلس ڈارون'' میں تفصیل سے لکھا ہے۔

الختصر یہ کہ نظریۂ ارتقاء اور کمیونزم کے درمیان ایک منقطع نہ ہونے والا رشتہ ہے۔ اس نظریے کے مطابق جاندار چیزیں اتفاق سے وجود میں آئی ہیں اور کفر و الحاد کے لیے یہ ایک سائنسی مدد فراہم کرتا ہے۔ کمیونزم ایک ملحدانہ نظریہ ہے۔ اسی لیے یہ ڈارونیت کے ساتھ مضبوطی سے جڑا ہوا ہے۔

کمیونزم نے طبقاتی تصادم پر ڈارونی نظریۂ تصادم کا اطلاق کر کے۔ کنٹرول کرنے کے قانونی طریقوں میں قتل اور خونریزی کو جائز قرار دے دیا ہے۔

مزید یہ کہ نظریۂ ارتقاء یہ بھی بیان کرتا ہے کہ فطرت میں ترقی ممکن ہے۔ یہ ''جدلیات'' کی حمایت بھی کرتا ہے جو کمیونزم کی بنیاد ہے۔

اگر ہم کمیونزم کے تصور ''جدلیاتی تصادم'' کے بارے میں غور کریں جس نے بیسویں صدی کے دوران 120 ملین انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا تو یہ ایک ''قتل کرنے والی مشین'' ثابت ہوتا ہے۔ پھر ہم ڈارونیت نے اس زمین پر جو تباہی پھیلائی اسے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

جدلیاتی تصادم معاشروں کی ترقی کو فروغ نہیں دیتا بلکہ انہیں تباہ کرتا ہے۔

جیسا کہ ہم اس سے قبل یہ پڑھ چکے ہیں کہ ڈارونیت نے یہ نظریہ دیا کہ جانداروں کے درمیان جدوجہد ان کی ترقی کے سبب سے ہوتی ہے۔ یوں اس خیال کو سائنسی شہرت جدلیاتی مادہ پرستی سے ملی۔

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، جدلیاتی مادہ پرستی کی بنیاد اس ''تصادم'' کے خیال پر ہے کال مارکس جو اس فلسفے کا بانی ہے اس نے اس خیال کو عام کیا کہ ''اگر جدوجہد یا مخالفت نہ ہوگی تو ہر شے جہاں ہے وہیں رہے گی''۔ ایک جگہ اور اس نے کہا:

''طاقت اور قوت ہر اس پرانے معاشرے کے لیے دائی کا کام کرتی ہے جب وہ نئے سرے سے حاملہ ہو جاتا ہے''۔ یہ کہتے ہوئے اس نے لوگوں کو ظلم و بربریت، جنگ و جدل اور خونریزی کی جانب بلایا تاکہ وہ ترقی کر سکیں۔

سیاست کی دنیا میں جس نے سب سے پہلے مارکس کا نظریہ استعمال کیا وہ لینن تھا جو اس تصور کو فروغ دے رہا تھا کہ ''جب دو مخالفین کے درمیان تصادم ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں ترقی ہوتی ہے''۔ لینن نے اس بات پر زور دیا کہ متضاد خیالات رکھنے والے لوگوں کو ہمیشہ ایک دوسرے سے برسر پیکار رہنا چاہیے۔ لینن نے اس پر بھی بار بار زور دیا کہ تصادم خونریزی کا مطالبہ کرتا ہے جسے دہشت گردی کہتے ہیں۔ 1906ء میں ''پرولتاری'' میں لینن کا ایک مضمون ''گوریلا جنگ'' شائع ہوا تھا۔ یہ بالشویکی انقلاب سے گیارہ برسوں پہلے کی بات تھی۔ اس سے ان دہشت گردی کے طریقوں کا پتہ چلتا ہے جو اس نے اختیار کیے تھے:

وہ بات جس میں ہمیں دلچسپی ہے وہ مسلح جدوجہد ہے۔ یہ افراد اور چھوٹے چھوٹے گروہ کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کا تعلق انقلابی تنظیموں سے ہوتا ہے جبکہ

دوسرے (ان میں سے اکثر کا تعلق روس کے مختلف حصوں سے ہوتا ہے) کسی انقلابی تنظیم سے تعلق نہیں رکھتے۔ مسلح جدوجہد کے دو مقاصد ہوتے ہیں جن کو واضح طور پر پہچان لینا چاہیے: سب سے پہلے اس جدوجہد کا مقصد انسانوں، سرداروں اور فوج و پولیس کے چھوٹے افسروں کو قتل کرنا ہوتا ہے۔ دوم یہ حکومت اور پرائیویٹ افراد سے فنڈ ضبط کر لیتی ہے۔ یوں اس ضبط شدہ فنڈ کا کچھ حصہ تو پارٹی کے خزانے میں چلا جاتا ہے اور کچھ لوگوں کو مسلح کرنے، انقلاب برپا کرنے اور کچھ ان افراد کی دیکھ بھال اور ضرورتوں پر خرچ کیا جاتا ہے جو اس قسم کی جدوجہد میں کام کر رہے ہوتے ہیں۔

بیسویں صدی کے بہت معروف نظریات میں سے جس نے کمیونزم کی سب سے زیادہ مخالفت کی وہ فاشزم تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ گو فاشزم نے کمیونزم کی مخالفت کا اعلان کیا تھا مگر جدوجہد میں اسے بھی اتنا ہی یقین تھا جتنا کمیونزم کو۔ کمیونسٹوں کا عقیدہ تھا کہ طبقاتی جدوجہد ضروری ہے البتہ فاشسٹوں نے صرف جدوجہد کا دائرہ بدل دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جدوجہد نسلوں اور قوموں کے ہونی چاہیے۔ مثال کے طور پر ایک جرمن مؤرخ Heinrich Treitschke جو نازی تصورات کا اہم سرچشمہ اور ایک مشہور نسل پرست تھا لکھتا ہے: ''جب تک اقوام کے درمیان مقابلہ نہ ہو انہیں خوشحالی حاصل نہیں ہوتی جس طرح ڈارون کے ہاں بقائے حیات کے لیے جدوجہد کی جاتی ہے۔ ہٹلر نے بھی کہا کہ اس نے ڈارون کے تصور جدوجہد سے تحریک پائی تھی۔

نیچر کی پوری دنیا میں طاقت اور کمزوری کے درمیان زبردست جدوجہد ہو رہی ہے جس میں فتح ہمیشہ طاقتور کو کمزور پر ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نیچر ہمیشہ زوال پذیر رہتی۔ جسے زندہ رہنا ہے اسے ضرور لڑنا چاہیے۔ وہ جو نہیں چاہتا کہ اس دنیا میں لڑے جہاں مستقل جدوجہد ہی قانونِ حیات ہے اسے زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل

نہیں ہے۔

ان دو سماجی ڈارونیت پرستی کے نظریات کے مطابق اگر کوئی معاشرہ ترقی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے جدوجہد اور خون بہانا ضروری ہے۔

یہ قدرتی بات ہے کہ اختلاف رائے ہو سکتا ہے لیکن اس سے لوگوں کے درمیان تصادم اور جنگ و جدل کو وجود میں نہیں آنا چاہیے۔ باہمی احترام اور رواداری آپس کے اتفاق کو یقینی بناتے ہیں اور پھر مختلف پارٹیاں مل جل کر زندگی گزارنے لگتی ہیں۔ قرآن کی اخلاقی تعلیم لوگوں کو اطمینان اور خوشی سے زندہ رہنا سکھاتی ہے جبکہ جدلیاتی جدوجہد ہمیشہ رنج وغم، تباہی اور موت لاتی ہے۔

انہوں نے بیسویں صدی میں کیا تخلیق کیا اسے سب جانتے ہیں۔ ان گنت معصوم انسان مرے، بیشمار زخمی ہوئے یا اپاہج بنا دیے گئے۔ قومی سطح پر بہت سے ممالک کی اقتصادیات کو سہارا نہ دیا جا سکا۔ جو روپیہ، صحت، تحقیق، ٹیکنالوجی، تعلیم اور فنون پر خرچ ہونا تھا وہ اسلحہ، گولابارود اور اس سے پیدا کردہ زخموں پر باندھنے کے لیے پٹیوں کی خریداری پر اور تباہ شدہ شہروں کو پھر سے آباد کرنے پر لگا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ جدوجہد اور دہشت انسانی ترقی کو فروغ نہیں دیتی بلکہ تباہی و بربادی کا باعث بنتی ہے۔

یقیناً دُنیا میں تضادات ہیں۔ جس طرح نیچر میں روشنی اور تاریکی، دن رات، گرم سرد ہے۔ اسی طرح خیالات کو عملی شکل دینے میں بھی تضادات ہیں۔ مگر خیالات کے تضاد سے تصادم لازمی تو نہیں ہو جاتا۔ اس کے برعکس اگر تضادات کے وقت رواداری، امن وسلامتی، افہام وتفہیم، محبت، ہمدردی، رحمدلی سے کام لیا جائے تو اچھے نتائج نکل سکتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو اپنے خیال کا دوسرے کے خیال کے ساتھ تقابل کرے گا تو اسے اس خیال کی کمزوریاں اور نقائص معلوم ہو جائیں گے پھر وہ انہیں دور کر سکے گا۔ وہ لوگ جو مخالف آراء کا دفاع کرتے ہیں انہیں گفتگو کے

دوران تبادلۂ خیالات کا موقعہ مل جاتا ہے یا وہ تعمیری تنقید سے کام لینے لگتے ہیں۔ مگر یہ بات صرف اسی انسان کی سمجھ میں آ سکتی ہے جو مخلص، درگزر سے کام لینے والا، امن پسند، نرم خو ہو اور قرآن کی اخلاقی تعلیمات سے مستفید ہو چکا ہو۔

کسی انسان کو صرف اس لیے مار ڈالنا کہ اس کے خیالات آپ کے خیالات سے مختلف ہیں یا وہ کسی دوسرے مذہب کا پیروکار ہے، یا کسی دوسری نسل سے تعلق رکھتا ہے، ایک انتہائی ظالمانہ فعل ہوگا۔ اسی وجہ سے پوری تاریخ میں اور دنیا بھر میں ایک ہی وطن کے رہنے والے ایک دوسرے سے لڑ کر جان گنوا بیٹھتے ہیں یا مختلف نسل یا قوم کی عورتیں، بچے بے رحمی سے قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ صرف وہی شخص ایسا کر سکتا ہے جو انسان کا احترام نہیں کرتا اور جو اپنے سامنے موجود دوسرے انسان کو محض حیوان ناطق سمجھتا ہے۔ یہ وہی شخص ہو سکتا ہے جسے اس بات پر یقین نہیں کہ اسے اپنے اعمال کے لیے اللہ کے حضور حساب دینا ہوگا۔

بہترین اور نہایت سچا رویہ جو مخالف خیالات کے بارے میں ہونا چاہیے وہ قرآن نے بتایا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ عدم اتفاق کی بنا پر تصادم ہوئے۔ اس کی ایک مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی ہے۔ فرعون کے تمام ظلم و زیادتی کے باوجود اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی طرف بھیجا کہ وہ اسے اللہ کے دین کی طرف بلائیں اور اللہ نے اپنے پیغمبر کو طریقہ بھی بتایا جو اسے اس موقعہ پر استعمال کرنا تھا:

> ''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے حضرت موسیٰ ؑ نے اپنے اللہ کے حکم کی تعمیل کی اور فرعون کو بڑی تفصیل کے ساتھ نرمی سے دین کی دعوت دی۔'' (طٰہٰ۔20:43-44)

تاہم فرعون نے حضرت موسیٰ سے معاندانہ رویہ اختیار کیا اور پیغمبر خدا کے صبر وتحمل اوراعلیٰ ظرفی کی قدر نہ کرتے ہوئے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو قتل کی دھمکی دی۔ مگر فرعون کا رویہ غالب نہیں آیا تھا بلکہ اس کے برعکس فرعون اور اس کا لشکر دریا میں ڈوب گیا تھا اور موسیٰ اور ان کے پیروکاروں کو فتح ونصرت حاصل ہوئی تھی۔

جیسا کہ اس مثال سے ظاہر ہوا کہ کسی خیال یا ترقی کے لیے جدوجہد کی فتح کا انحصار ظلم و زیادتی پر نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان ملاقات تاریخ کا ایک سبق پیش کرتی ہے: فاتح وہ نہیں ہوتے جو ظلم و بربریت کا ساتھ دیتے ہیں بلکہ وہ ہوتے ہیں جو امن وسلامتی اور عدل کا ساتھ دیتے ہیں۔ اخلاقی اصولوں کا صلہ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ملتا ہے۔

❖......❖......❖

ڈارونیت اور دہشت گردی

جیسا کہ ہم نے اب تک دیکھا کہ ڈارونیت ظلم و بربریت کے مختلف نظریات کی جڑوں تک پہنچی ہوئی ہے جس سے بیسویں صدی میں بنی نوع انسان کو بڑی تباہی سے ہمکنار ہونا پڑا۔

ریاستوں اور معاشروں کے درمیان اگر عدم اتفاق پایا جاتا ہو تو تصادم اور جنگ مسائل کا حل نہیں ہوتے۔ قرآن یہ تعلیم دیتا ہے کہ عدم اتفاق والے تمام امور کو باہمی صبر وتحمل رواداری، ہمدردی اور افہام وتفہیم سے حل کیا جانا چاہیے۔

دراصل جب ڈارونیت کو خارج کردیا جائے تو تصادم کا کوئی فلسفہ باقی نہیں رہ جاتا۔ وہ تین ربانی مذاہب جن کے ماننے والوں کی تعداد دنیا میں بہت زیادہ ہے۔ وہ اسلام، عیسائیت اور یہودیت ہیں، جو تینوں کے ظلم و بربریت کے خلاف ہیں۔ یہ تینوں مذاہب دنیا میں امن و سلامتی اور یگانگت لانا چاہتے ہیں۔ یہ معصوم انسانوں کے قتل کے خلاف ہیں اور نہیں چاہتے کہ ان انسانوں پر ظلم و زیادتی ہو۔ تصادم اور ظلم اس اخلاقیت کی مخالفت کرتے ہیں جو اللہ نے انسان کے لیے مقرر کی ہے، یہ ناپسند کیے جانے والے تصورات ہیں تاہم ڈارونیت تصادم اور ظلم کی تصویر کشی کرتے
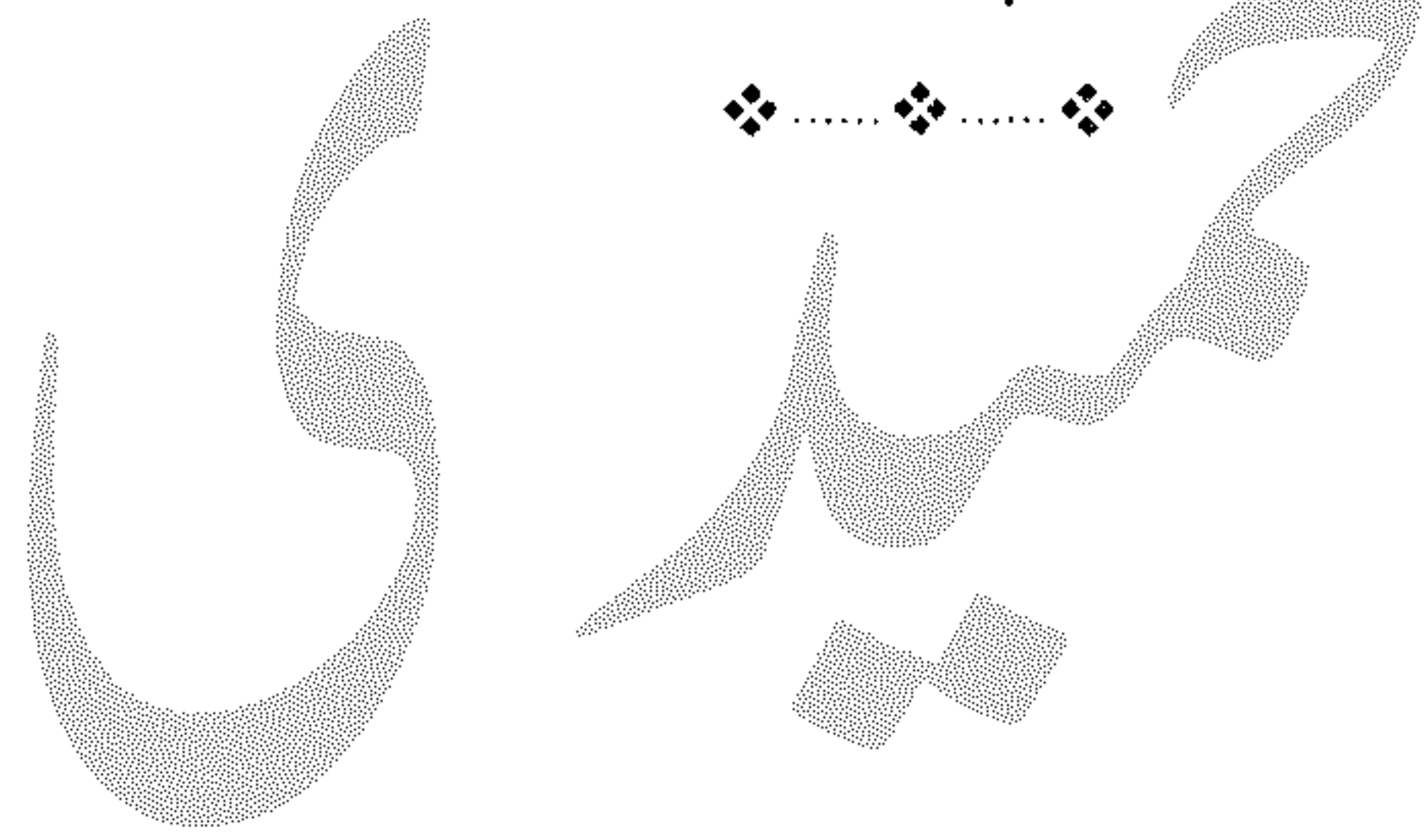
وقت اسے قدرتی اور منصفانہ فعل قرار دیتی ہے اور انہیں درست تصورات قرار دے کر ان کے وجود کا جواز پیش کرتی ہے۔

فرعون کے اس انکار کو روکنے کے لیے جو وہ رب العالمین کو ماننے سے انکار کی شکل میں کر رہا تھا اور اسے اس ظلم سے بھی روکنا تھا جو اس بنیادی تصور کے پیچھے موجود تھا کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ''ہر اس شخص سے لڑا جائے جو ہم میں سے نہیں ہے''۔

دنیا میں بہت سے عقائد ہیں، تصورات بے شمار ہیں اور فلسفے بہت سے ہیں۔ یہ قدرتی بات ہے کہ ان مختلف تصورات کی ایک دوسرے سے مختلف خاصیتیں ہیں۔ تاہم یہ مختلف مثالیں درج ذیل دو میں سے کسی ایک کے مطابق ایک دوسرے کو دیکھ سکتی ہیں:

1) جو ان جیسے نہیں ہیں ان کا وجود برداشت کرتے ہوئے ان کا احترام کیا جائے، ان سے مکالمے کی صورت نکالی جائے، ان سے نرمی سے پیش آیا جائے۔ یہ طریقہ قرآن کی اخلاقی تعلیم کے عین مطابق ہے۔

2) وہ دوسروں سے جنگ کرنے کے لیے آزاد ہیں اور وہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کر سکتے ہیں خواہ اس میں دوسروں کو نقصان پہنچانے سے ہی یہ فائدہ حاصل کیوں نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ جانوروں کی سطح پر اتر سکتے ہیں۔ یہ طریقہ مادہ پرستی میں اختیار کیا جاتا ہے جسے لامذہبیت بھی کہا جا سکتا ہے۔ جب ہم ان دو رویوں میں فرق پر غور کریں گے تو ہم دیکھیں گے کہ یہ تصور کہ ''انسان ایک لڑنے والا جانور ہے'' ہمارے سامنے آئے گا۔ اسے ڈارونیت نے تحت الشعوری طور پر لوگوں پر مسلط کیا ہے اور جس کا بطور خاص اثر ہوا ہے۔ وہ افراد یا گروہ جو تصادم کا راستہ چن لیتے ہیں انہوں نے شاید ڈارونیت کا نام کبھی نہ سنا ہوگا۔ نہ وہ اس نظریے کے اصولوں سے واقف ہوں گے۔ مگر آخر میں وہ اس تصور سے اتفاق کر لیتے

ہیں کہ اس کی فلسفیانہ بنیاد ڈارونیت فراہم کرتی ہے۔ انہیں جو بات اس خیال کے درست ہونے پر یقین دلاتی ہے۔ وہ ڈارونیت پر مبنی نعرے ہیں مثلاً ''اس دنیا میں صرف طاقتور زندہ رہ سکتے ہیں'' ''بڑی مچھلی چھوٹی مچھلیوں کو نگل جاتی ہے''۔ ''جنگ ایک اچھی چیز ہے''۔ ''انسان جنگ کے ذریعے ہی آگے بڑھ سکتا ہے''۔ ڈارونیت کو ان میں سے خارج کر دیں تو ان نعروں کے غباروں سے ہوا نکل جاتی ہے۔

آنے والی نسلوں کے لیے ایک اطمینان بخش اور راستبازی و پرہیزگاری کی زندگی کی ضمانت قرآن کی اخلاقی تعلیمات دیتی ہیں۔

اس وجہ سے اگر کچھ افراد اسلام، عیسائیت یا یہودیت کے نام پر دہشت گردی کرتے ہیں تو یقین کر لیجیے کہ یہ مسلمان، عیسائی اور یہودی نہیں ہو سکتے۔

یہ دراصل سماجی ڈارونیت پسند ہیں۔ یہ مذہب کے لبادے میں چھپے رہتے ہیں مگر یہ کسی بھی مذہب کے سچے ماننے والے نہیں ہوتے۔ اگر یہ لوگ دعویٰ بھی کریں کہ وہ مذہب کی خدمت کر رہے ہیں پھر بھی یہ مذہب کے اور سچے ایمان والوں کے دشمن ہیں۔ یہ ان گھناؤنے جرائم میں ملوث ہوتے ہیں جن کی مذہب سختی سے ممانعت کرتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مذہب کو لوگوں کی نظروں میں تاریک بنا کر پیش کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ دہشت گردی کی جڑ جو ہمارے کرۂ ارض پر طاعون کی مانند پھیلی ہوئی ہے اس کا تعلق تینوں ربانی مذاہب میں سے کسی ایک سے بھی نہیں ہے۔ البتہ اس کا یقینی تعلق الحاد سے ہے اور اس الحاد کا اظہار ہمارے آج کے دور میں ڈارونیت اور مادہ پرستی کی شکل میں ہو رہا ہے۔

ڈارونیت کے خطرے سے آگاہ رہنا چاہیے

کسی خاص مسئلے کا حل ان تصورات کو ترک کر دینے میں مضمر ہے جن پر یہ

مسئلہ انحصار کرتا ہے۔ مثال کے طور پر متعفن کوڑے دان کے گرد و نواح کو جتنا بھی صاف ستھرا رکھا جائے اس میں موجود کوڑے سے بدبو بدستور آتی رہے گی۔ تمام حل عارضی ثابت ہوں گے۔ اس کا اصل حل یہ ہے کہ کوڑے کرکٹ کے منبع کو ختم کیا جائے اور کوڑے دان کو پوری طرح صاف کر دیا جائے۔ ورنہ یہ تو کئی برس تک کسی کھیت میں سانپوں کی پرورش کرنے کے مترادف ہوگا جنہیں پال پوس کر چھوڑ دیا جائے اور پھر اس بات پر حیرت کا اظہار ہو کہ انہوں نے انسانوں کو ڈسنا کیوں شروع کر دیا ہے پھر ان سب کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اہم بات تو یہ ہے کہ ان کی ابتداء میں پرورش ہی نہ کی جائے۔

ہم بالآخر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں، دہشت گردوں کو ایک ایک کر کے تلاش کرنے اور انہیں بے اثر بنانے کی کوشش مستقل حل نہیں فراہم کرتی۔ دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے اس کے اصل سرچشموں کی نشان دہی کرنا ہوگی تاکہ انہیں ختم کیا جاسکے۔ دوسری طرف دہشت گردی کا اصل منبع وہ غلط نظریات اور تعلیم ہیں جو ان نظریات کی روشنی میں حاصل کی جاتی ہے۔

ہمارے عہد میں تقریباً دنیا کے تمام ممالک میں ڈارونیت کو مدارس کے نصاب میں شامل کر لیا گیا ہے اور اسے ایک سائنسی حقیقت تصور کیا جاتا ہے۔ نوجوانوں کو یہ نہیں پڑھایا جاتا کہ انہیں اللہ نے تخلیق کیا ہے اور ان کے اندر اس نے اپنی روح پھونکی ہے پھر انہیں دانائی اور ضمیر عطا کیا ہے۔ انہیں یہ نہیں بتایا جاتا کہ قیامت کے روز اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ جن کے بدلے میں انہیں جنت یا جہنم ملے گی جس میں انہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اس کے برعکس انہیں یہ پڑھایا جاتا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد جانور تھے جو محض اچانک اتفاق سے وجود میں آ گئے تھے۔ جب اس قسم کی تعلیم ملے تو یہ نوجوان یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ انہیں خدا کے ہاں جواب نہیں دینا اور

ان کی بقائے حیات کا دارومدار ان کی جدوجہد پر ہے۔ اس میں انسانیت دشمنی شامل ہوتی ہے۔ یہ بچوں کو بھی بے رحمی سے قتل کرنے کے اشاروں پر کام کرنے لگتے ہیں اور ظلم و بربریت کے ایسے کام کرنے لگتے ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کمیونسٹ، فاشسٹ اور دہشت گرد گروہ جو انیسویں صدی سے وجود میں آ چکے ہیں اس نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کی پیداوار ہیں۔

دوسرا بڑا نقصان جو اس نظام تعلیم نے پہنچایا ہے وہ یہ ہے کہ یہ تعلیم مذہب سے دور لے جاتی ہے اور یوں مذہب کا دائرہ بے علم لوگوں کی دنیا تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ یوں وہ لوگ جو یہ مروجہ تعلیم حاصل کرتے ہیں، ڈارونیت، مادہ پرستی کی وجہ سے مذہب سے دور ہو جاتے ہیں۔ گویا مذہب اب لاعلم انسانوں تک محدود ہو گیا۔ اس طرح توہم پرستی اور غلط نظریات کو فروغ ملتا ہے۔ اس کے نتیجے میں مذہب کے نام پر مذہب کے بالکل برعکس تصورات پھیلنے لگتے ہیں۔

اس کی ایک بڑی مثال **11**۔ستمبر کے امریکا کے واقعات ہیں۔ کوئی بھی انسان جو اللہ کا خوف رکھتا ہے اور اس ذاتِ باری تعالیٰ سے محبت کرتا ہے ہزاروں معصوم انسانوں کو نہ قتل کرسکتا ہے، نہ زخمی، وہ ہزاروں بچوں کو یتیم بھی نہیں بنا سکتا۔ ایسے شخص کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے خدا کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اور اس نے دنیا میں جو ظلم و زیادتی کی ہوگی اس کی سزا کے طور پر اسے جہنم کا ایندھن بننا پڑے گا۔

ہم اپنی بات کو اس طرح ختم کرتے ہیں کہ دہشت گردی کے کاموں کو ختم کرنے کے لیے ڈارونی مادہ پرستانہ تعلیم کو بند کرنا ہوگا۔ سائنسی حقائق پر مبنی تعلیم سے انہیں روشناس کرانے کی ضرورت ہے، ان کے دلوں میں خوف خدا پیدا کرنا ہوگا تاکہ وہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اُٹھائیں۔ اس قسم کی تعلیم کے ثمرات اس طرح حاصل ہوں گے کہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جس کے اندر امن پسند، قابل اعتماد

عفو و درگزر سے کام لینے والے، روادار انسان بستے ہوں گے۔

''اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ (اچھا) سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے.....'' (النحل۔16:90)

''وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں اُتارتا ہے تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نُور کی طرف لے آئے.....'' (الحدید۔57:9)

❖.....❖.....❖

حاصلِ گفتگو

مغربی دنیا اور مسلمانوں کے لیے تجاویز

آج مغربی دنیا ان تنظیموں کے بارے میں فکرمند ہے جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ظلم و دہشت گردی پھیلا رہی ہیں۔ اس کی یہ فکرمندی بلا سبب نہیں ہے، نہ غلط ہے۔ یہ بہت ضروری ہو گیا ہے کہ بین الاقوامی عدالتی نظام کے مطابق ان دہشت گردوں اور ظلم و بربریت کا مظاہرہ کرنے والوں کے خلاف کارروائی کی جائے۔ تاہم ایک اور اہم بات جس پر غور کرنے کی بے حد ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ان مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے طویل المیعاد حکمت عملی اختیار کی جائے۔

اُوپر جو تجزیہ پیش کیا گیا ہے اس کے مطابق دہشت گردی کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہ کھلم کھلا انسانیت کے خلاف ایک جرم ہے۔ ہمیں ایک اور بات کی جانب بھی سنجیدگی سے توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ ایک غلط تصور جسے بڑی پبلسٹی دی گئی کہ ''اسلامی دہشت گردی'' نام کی کوئی شے بھی موجود ہے، اسے ختم کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔
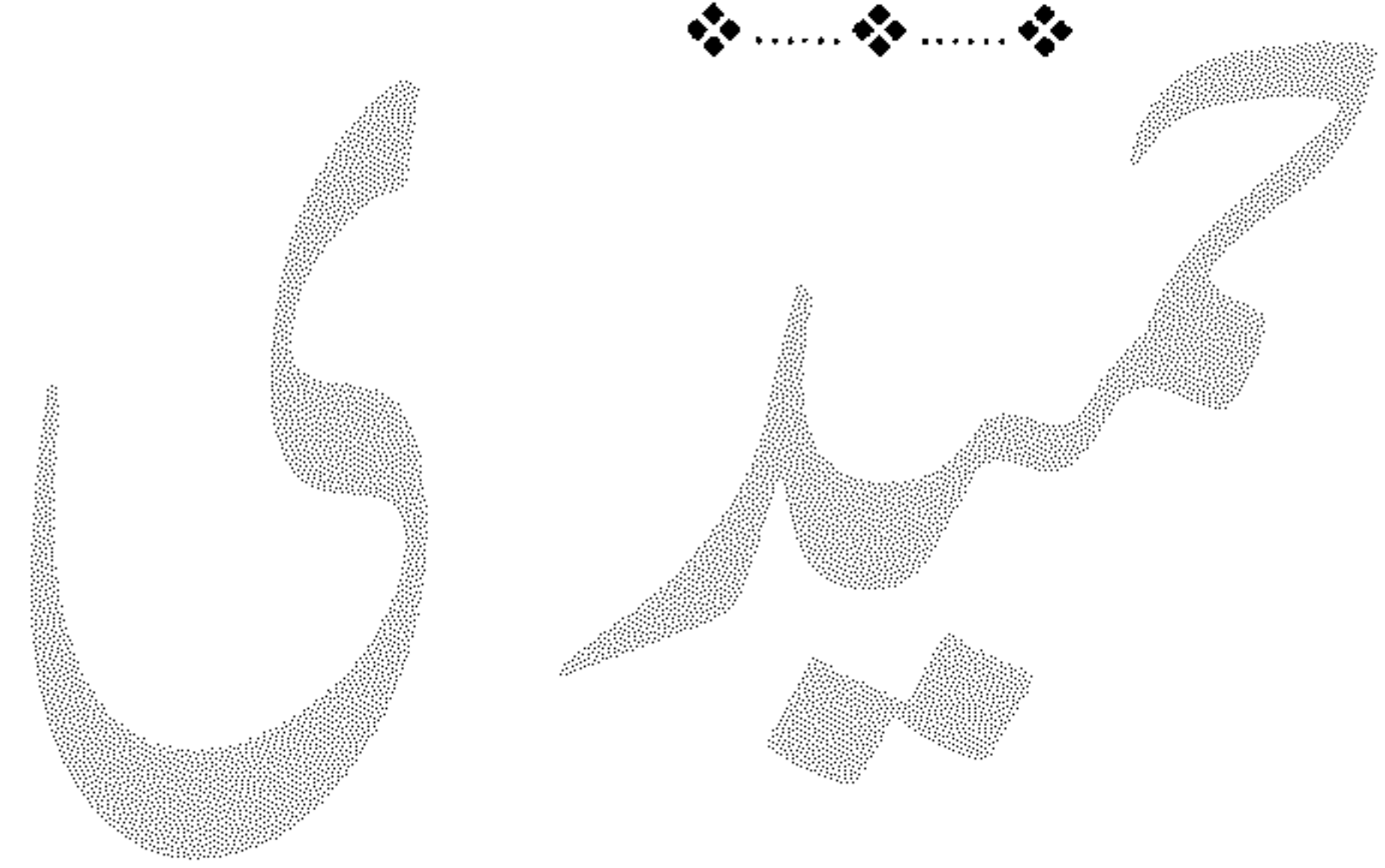
ہمیں اس سے ایک بہت اہم نقطہ ملتا ہے:

1) مستقبل میں تمام ممالک کو بہت احتیاط، عقل مندی سے کام لینا ہوگا۔ وہ سیاہ منظر نامہ جو ''تہذیبوں کے تصادم'' کی شکل میں ہمارے سامنے آیا ہے وہ پوری دنیا کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس سے کوئی بھی نفع حاصل نہیں ہوسکتا۔ دنیا بھر کے انسانوں کو امن وسکون سے مل جل کر زندگی گزارنے کی فکر کرنی ہوگی تا کہ یہ ایک دوسرے سے سیکھ سکیں، ایک دوسرے کی تاریخ کا مطالعہ کریں، مذہب، فن، ادب، فلسفہ، سائنس، ٹیکنالوجی اور کلچر میں جو ترقی ہوئی ہے اس پر نظر رکھیں جس سے ان سب کی آپس کی زندگی بہتر ہوسکتی ہے۔

2) وہ سرگرمیاں جن سے اسلام کی اصل شکل پیش کی جا سکتی ہے، انہیں فروغ دیا جائے۔ اسلامی ممالک میں جو سیکولر خیالات کو فروغ مل رہا ہے اس کی فکر کی جائے اور اس کا سدباب کیا جائے۔ ان ممالک میں جہاں کہیں انقلابی سوچ کو عام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اسے ''لازمی سیکولر خیالات'' کے ذریعے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ اس سے عوام میں بے چینی پھیلے گی۔ اس کا حل ایک ہی ہے کہ اسلام کی حقیقی صورت سامنے لائی جائے اور مسلمان دوسروں کے لیے رول ماڈل بننے کے لیے قرآنی اقدار اور تعلیمات کو اپنا لیں، جن میں انسانی حقوق، جمہوریت، آزادی، حسن اخلاق، سائنس روحانیت، جمالیات اور وہ جس سے انسانیت کو حقیقی خوشی اور مسرت ملے، شامل ہیں۔ مسلمانوں کو قرآن کی اخلاقی اقدار کے مطابق زندگی گزارنے کی ضرورت ہے جس کی مثال پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً پیش کی۔ مسلمانوں کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اسلام جن غلط ہاتھوں میں چلا گیا ہے ان سے اسے

واپس لیں۔ یہ لوگ اسلام کو جب غلط طور پر پیش کرتے ہیں تو اس سے مزید غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ اسلام ان مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو تو قرآن اور آنحضورؐ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کرتے ہیں۔

3) دہشت گردی کا سرچشمہ لاعلمی و جہالت ہے اور اس کا حل تعلیم میں ہے۔ ان حلقوں کو جن کو دہشت گردی سے ہمدردی ہے بتایا جائے کہ دہشت گردی سراسر اسلام کے خلاف ہے، جس سے اسلام کو مسلمانوں اور انسانیت کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

4) دہشت گردی سے لڑنے کے لیے طویل المیعاد ثقافتی حل تلاش کرنے کی ضرورت ہے، جس کی جڑیں کمیونزم، فاشزم اور نسل پرستی کے نظریات تک چلی گئی ہیں۔ آج دنیا کے کم و بیش سب ممالک میں ڈارونیت کو تعلیم (نصاب تعلیم) کے ذریعے فروغ مل رہا ہے۔ تاہم جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ڈارونیت ایک غلط نظریہ ہے جو اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان پہلے جانور تھا پھر یہ بقائے حیات کے لیے جدوجہد کرتے کرتے موجودہ شکل میں آیا۔

اسی سے دہشت گردی کی مختلف شکلوں کی بنیاد پڑتی ہے۔ ایک ایسا نظریہ جو یہ تبلیغ کرتا ہو کہ صرف طاقتور زندہ رہ جائیں گے اور جنگ کو اچھا سمجھتا ہے وہ اس سیم زدہ زمین کی مانند ہے جس پر سبزہ کبھی نہیں لہلہا سکتا۔ جب صورت حال یہ ہو تو بین الاقوامی قانون اور دیگر اقدامات کو متعارف کرانے کے علاوہ، جن سے دہشت گردی کے خلاف لڑا جا سکتا ہے، دنیا بھر میں مسلسل تعلیم کو عام کرنے کی مہم شروع کرنے کی بھی بے حد ضرورت ہے۔

ڈارونیت کے پرفریب چہرے کو بھی بے نقاب کیا جائے، مادہ پرستی کے خلاف

آ گاہی پھیلائی جائے اور اللہ کے احکامات کو اس تعلیم کا حصہ بنایا جائے۔ جب تک سچے دین کی اچھی اقدار کے مطابق زندگی نہ گزاری جائے امن وسلامتی اور استحکام حاصل نہیں ہوسکتے۔ جب تک اس سیم زدہ زمین کو فصل اگانے کے قابل نہیں بنایا جائے گا، دنیا سے تباہی کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔

ہمیں پوری امید ہے کہ ان اقدامات سے دنیا کو دہشت گردی سے محفوظ کر لیا جائے گا اور تمام ظلم و بربریت کے کاموں کو ختم کیا جا سکے گا۔ امریکا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس میں ایک ایسی قوم بستی ہے جو خدا کے سائے تلے رہتی ہے، اسے تو (اگر اس کا یہ دعویٰ سچا ہے) مسلمانوں سے دوستی کر لینی چاہیے۔ قرآن میں اللہ نے اس حقیقت کی طرف توجہ دیتے ہوئے ہمیں آگاہ فرمایا ہے کہ عیسائی وہ ہیں جنہیں "آپ سب سے زیادہ دوستی کے قریب پائیں گے، یہ وہ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں.........." (المائدہ۔5:82)

تاریخ میں کچھ لاعلم لوگ (مثلاً صلیبی) ایسے بھی تھے جو اس حقیقت کو نہ سمجھ سکے اور ان دو مذاہب کے درمیان انہوں نے تصادم پیدا کر دیا تھا۔ اس منظرنامے کو دوبارہ سامنے آنے سے بچانے کے لیے جسے "تہذیبوں کا تصادم" کہا جا رہا ہے یا "مغرب کے خلاف مقدس جنگ (جہاد) کا نام دیا جا رہا ہے"۔ مسلمانوں اور سچے عیسائیوں کو مل کر آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہیے تاکہ اس تصادم کو روکا جا سکے۔ ان حادثات کے بعد جو حالات سامنے آئے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعاون کا بیج تو بویا جا چکا ہے۔ اس دہشت گردی کے بڑے واقعہ نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔ اب بہت سے عیسائی اسلام کے بارے میں پہلے کی نسبت زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں کو ایک حوصلہ ملا ہے کہ وہ اس اسلامی اخلاقیات کو جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔

اس ساری صورت حال سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ اب لوگ اسلامی اقدار کو بہتر طور پر جان سکیں گے اور ماضی کے تعصبات کو دل و دماغ سے نکال دیں گے۔ اللہ نے چاہا تو اکیسویں صدی میں لوگ اس بات کا اعتراف کریں گے کہ اسلامی اقدار کے فروغ سے ہی لوگوں کو اس کرۂ ارض پر وہ امن و سلامتی حاصل ہوگی جس کی انہیں برسوں سے آرزو تھی۔

"وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا، وجود بخشنے والا صورت بنانے والا.........." (الحشر۔59:24)

❖ ❖ ❖

مُترجم کی دیگر تصنیفات، تالیفات اور تراجم

1۔ داستاں میری (آپ بیتی)

2۔ پتھر کی آنکھ (افسانے)

3۔ نسیم حجازی ...... ایک مطالعہ

4۔ واصف علی واصف...... سوانح و افکار

5۔ نوادراتِ عرشی امرتسری

6۔ اقبال...... پیامبرِ اُمید

7۔ Iqbal-A Cosmopolitan Poet

8۔ یوسف ظفر کی بات

9۔ جیلانی بی۔ اے کی کہانی

10۔ سید مودودیؒ...... مردِ عصر و صورتِ گرِ مستقبل

11۔ "Life & Work of Nasim Hijazi" (Doctoral Thesis)

12۔ سیّدنا بلالؓ (ترجمہ: Bilal (RAU) - by H.A.L. CRAIG)

13۔ سرِ تسلیم خم ہے (ترجمہ: Struggling to Surrender By Dr. Prof. Jafrey Lang)

14۔ سید مکی مدنی العربی صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ: The Life of Muhammad (SAW) The Prophet of Allah By Suleman Bin Ibrahim and A. Dinet.)

15۔ اللہ کی نشانیاں (ترجمہ: Allah is Known Through Reason by Haroon Yahya)

16۔ عقل والوں کے لیے (ترجمہ: For Men of Understanding by Haroon Yahya)

17۔ دنیا اور اسکی حقیقت (ترجمہ: The Truth of The Life of This World By Haroon Yahya

18۔ نظریۂ ارتقاء...... ایک فریب (ترجمہ: Evolution Theory - A Deceit by Haroon Yahya)

19۔ تباہ شدہ اقوام (ترجمہ: The Perished Nations by Haroon Yahya)

20۔ معجزاتِ قرآن (ترجمہ: Miracles of the Quran By Haroon Yahya)

21۔ مکہ مکرمہ کے ہزار راستے (ترجمہ: One Thousand Roads To Makkah by Haroon Yahya)

22۔ اسلام اور دہشت گردی (ترجمہ: Islam Denounces Terrorism by Haroon Yahya)

23۔ آخرت کی نشانیاں (ترجمہ: The Signs of the End Times by Haroon Yahya)

24۔ اسلام اکیسویں صدی میں (ترجمہ: Islam-2000 by Alfred Half Mann)